زمانہ سن رہا تھا بڑے شوق سے
تمہیں سو گئے داستاں کہتے کہتے
تذکرہ خطیب الاسلام
خطیب الاسلام حضرت مولانا سالم صاحب
قاسمی علیہ الرحمۃ کے متعلق مضامین کا مجموعہ
جمع و ترتیب:- مسعود اعجازی اورنگ آبادی

فہرست مضامین

حرفے چند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطیب العصر حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی رحمۃاللہ علیہ کے انتقال پر ملال کی خبر سن کر معتقدین و متوسلین کے قلوب ہموم وکروب سے موجزن ہوگئے، آنکھیں شدت رنج والم سے چھلک پڑیں، زبانوں سے بلا اختیار نوحے پر مشتمل کلمات اچھلنے لگے ، قلم غیر ارادی طور پر حزن و ملال اور غموں اور صدمے کے نقوش صفحہ قرطاس پر ثبت کرنے لگا ،در اصل مبدا فیاض نے ان کی شخصیت کوایسے غیر معمولی فضائل و کمالات سے نوازا تھا جن کی وجہ سے ان کی شخصیت مرجعیت و محبوبیت میں نہایت ہی بلند و بالا مقام پر جلوہ فگن ہوگئی تھی،وہ نہایت ہی وسیع النظر عالم دین تھے، علوم عالیہ و آلیہ دونوں ہی میں انھیں کمال حاصل تھا،وہ کامیاب اور ہر دلعزیز معلم تھے،پاکیزہ اوصاف اور بلند اخلاق کے حامل مہتمم و منتظم تھے ،میدان خطابت کے وہ عظیم اور بے نظیر شہسوار تھے،ان کی زبان سے نکلنے والےالفاظ پر موتیوں کی لڑی کا احساس ہوتا تھا ،حاضرین و سامعین کو یوں لگتا کہ انواع و اقسام کے خوبصورت پھول کوئی ان کی طرف اچھالے چلا جارہا ہے ۔وہ اتحاد بین المسلمین کے عظیم داعی تھے، مسلمانوں کے آپسی اختلاف و انتشار سے وہ بے حد نالاں رہتے تھے، خلوص و للّٰہیت ،ورع و تقوی کو ان کی زندگی میں ہیولی اور صورت جسمیہ کی سی حیثیت حاصل تھی ۔ظاہر سی بات ہے اتنی بلند و بالا ہستی کی جدائیگی پر کتنی آنکھیں چھلکی ہوں گیں، کتنے آہ و فغاں بلند ہوئے ہوں گے،

کتنے ہی خاموں سے اشکوں کے پھوارے نکل کر صفحات قرطاس کو داغدار کئے ہوں گے ۔اور کئے جائیں گے،

اس کا انداز ناممکن نہ سہی مشکل تو بہر حال ہے ہی ۔

یہ خطیب الاسلام کی محبت و عقیدت میں چھلکنے والے چند اشکوں اور نوحوں کا مجموعہ ہے، جسے محترم جناب (مسعود اعجازی اورنگ آبادی) نے ترتیب دینے کی سعادت حاصل کی ہے ۔اللہ تبارک تعالی قبولیت سے نوازے اور مرتب کو سعادت دارین سے ہمکنار فرمائے آمین ۔

بندہ ناچیز ۔شمشیر حیدر قاسمی ۔۲۱۔اپریل ۱۸ء

خادم جامعہ اسلامیہ بانسپار بہورو ا۔بلیلا یوپی ۔

پھر در و دیوار سے کیسی صدا آنے لگی
حلقئہ علم و عمل سے بھی بکا آنے لگی

چلدیا ربِّ ازل کو دارِ فانی چھوڑ کر
بےوفا دنیا جہاں سے رشتہ ناطہ توڑکر

علم و دیں میں آج بھی تیرے سنہرے باب ہیں
گوشئہ عالم میں تو پھیلے ترے طلاّب ہیں

تیرے جانے سے جہاں میں اک خلا سا ہوگیا
دردِ اسلمؔ تھا جو دل میں پھر ہرا سا ہوگیا

گلشنِ اسلام کے ارباب ہیں ماتم کناں
کرئہ ارضی کے سب مرجھا گئے ہیں گلستاں

یاخدا! تو کر لے رستمؔ کی دعاؤں کو قبول
لحدِ سالمؒ میں ہو ہر پل تیری رحمت کا نزول

رستم سالفؔ البنارسی

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی

تحریر:حضرت مولانا محمد اسلام صاحب قاسمی
(استاذ حدیث و ادب دارالعلوم وقف دیوبند)

دارالعلوم دیوبند کی تحریک کے بانی حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے خاندان میں دینی و علمی وراثت کے جانشین ہمیشہ سے موجود رہے ہیں، ہر نسل میں عالم، فاضل، حافظ اور قاری ملیں گے، اس طرح ڈیڑھ سو سال سے زائد عرصہ ہوگیا، سلسلہ جاری ہے، حضرت نانوتوی کے پوتے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ تو مسلک دیوبند کے ترجمان اور اکابر دیوبند کے علمی امین ہونے کے علاوہ شارح علوم نانوتوی بھی رہے اور بحیثیت مہتمم دارالعلوم، ادارے کی ترقی، تعلیمی و تعمیری وسعت اور پوری دنیا سے متعارف کرانے کے روحِ رواں اور دارالعلوم دیوبند کی زندگی کے نصف عمر تک اس کے مخلص باتوفیق خدمت گذار بھی۔

ان کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد سالم قاسمی (صدر مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند) دارالعلوم کے وہ استاذ جو تدریس کے ساتھ وقت کے اتنے پابند کہ بلاشبہ درسگاہ میں ان کی آمد پر طلبہ اپنی گھڑیوں کے ٹائم سیٹ کرتے، جب میں ابتدائی سالوں میں دارالعلوم میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، ان سے متعلق کوئی کتاب نہیں تھی، جلالین شریف اور شرح عقائد نسفی کا ان کادرس معروف تھا، مگر ہم طلبہ دیکھا کرتے کہ وہ متعینہ درسگاہ (دارالتفسیر) میں ایک قدم

اندر رکھتے اسی وقت گھنٹہ بجتا تھا، وقت کے منٹوں اور سیکنڈوں کے لحاظ سے اتنے پابند دارالعلوم کے اساتذہ و کارکنان میں کوئی نہیں تھا، موقوف علیہ کی جماعت میں احقر کی شرح عقائد ان سے متعلق تھی جو اُن کو سالہا سال کی تدریس کے نتیجے میں بالکل ازبر تھی، اسی لیے دوران درس روانی یا سلاست میں کبھی فرق نہیں آیا، خطابت چوں کہ ان کو رثہ میں ملی تھی اس لیے تدریس میں بھی یہی رنگ غالب تھا، طلبہ کی توجہ ذرا بھی ہٹی تو مضمون کا بیشتر حصہ نکل چکا ہوتا، ہماری طالب علمی کے زمانے میں یہ بات زباں زد عام تھی کہ حضرت الاستاذ نے امتحان میں کبھی کسی کو ناکام نہیں کیا ہے، اس وقت ان سے ملنے یا مزید استفادے کا موقع ہی نہیں تھا، یہ بھی ان کی خوبی تھی کہ تدریس کے لیے وہ اپنے گھر سے نکلتے اور براہ راست درسگاہ میں پہنچتے، اختتامی گھنٹہ بجتا اور وہ واپس صدر گیٹ کے راستے سے اپنے گھر کو، نہ کسی سے ملاقات ، نہ کسی دفتر میں جانا اور نہ ہی ادھر ادھر دیکھنا۔ راقم الحروف نے طالب علمی اور ملازمت کے دوران ۱۹۸۲ء تک ان کو کبھی کسی دفتر یا کسی استاذ کے پاس بیٹھے نہیں دیکھا۔

دارالعلوم دیوبند کسی عام مدرسے یا تعلیم گاہ کا نام نہیں ہے، ابتدا ہی سے مسلمانان ہند میں اس کو جو مرجعیت حاصل ہوئی اور اب تک ہے وہ کسی اور علمی تحریک یا کسی اور دارالعلوم کو حاصل نہیں، یہ ایک تحریک تھی جو بیحد پر آشوب دور میں شروع ہوئی اور اخلاص و للّٰہیت کا اعلیٰ نمونہ ،جو " دارالعلوم دیوبند " کے نام سے معروف ہوئی، اور دارالعلوم دیوبند کے اغراض و مقاصد

صرف درس و تدریس تک محدود نہ تھے، بہ یک وقت اساتذۂ علوم دینیہ، ماہرین قرآن و حدیث، کاملین علوم معقولات کا مرکز تھا، اور مجاہدین آزاد پر مشتمل افراد کا منبع بھی تھا، پورے ہندوستان میں اسلامی علوم و شریعت کے تحفظ اور اس کی نشر و اشاعت کا سرچشمہ بھی اور رشد و ہدایت، دعوت و تبلیغ، تحریر و صحافت کے طالبین و حاملین کے لیے قیمتی سرمایہ بھی، اس لیے اس ادارے کے کسی بھی شعبے سے وابستگی کو ملک و بیرون ملک عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ہے، اور کسی بھی شرعی، اسلامی اور ملّی مسئلے میں دارالعلوم دیوبند کی جانب مسلمانان ہند کی نظریں پڑتی ہیں، ملک میں جب مسلمانوں کو کوئی پریشانی اور الجھن در پیش ہوتی تو دارالعلوم کی رہنمائی یا رائے کا لوگوں کو انتظار رہتا ہے۔

اتنی اہمیت اور حیثیت کی حامل اس درسگاہ کا اہتمام و انتظام بھی اسی شان و شوکت کا عکس ہوا کرتا تھا، چنانچہ ۶۰/سال سے زائد کے عرصے تک اس مرکزی ادارے کے مہتمم رہنے والے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قدس سرہٗ کا عہد اہتمام اسی امتیاز و خصوصیت کا حامل تھا، دارالعلوم کو ایک سلطنت یا ریاست کا رتبہ اور مقام حاصل تھا، اسی لیے حضرت قاری صاحبؒ دیوبندی طائفہ کے نہ صرف سربراہ تھے بلکہ مسلک دیوبند کے ترجمان بھی، ان کا اہتمام بھی اسی عظمت و رفعت کا حامل سمجھا جاتا رہا۔ ایسے میں ان کے صاحبزادگان کو روایتی انداز کا احترام بھی حاصل تھا، اگر حضرت مولانا محمد سالم قاسمی کسی شعبے کی نظامت یا سربراہی کی خواہش رکھتے یا انتظام میں مداخلت کرنا چاہتے تو

اس عرصے میں نہ کسی کو (بشمول مجلس شوریٰ) اعتراض ہوتا، نہ کوئی مخالفت کرنے کی ہمت کرتا، مگر دارالعلوم کی تاریخ شاہد ہے، طلبہ اور اساتذہ گواہ ہیں کہ انھوں نے کبھی بھی انتظامی امور میں مداخلت نہیں کی، بلکہ دارالعلوم کے داخلی امور سے سوائے تدریس کے کوئی دلچسپی بھی نہیں لی۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد سالم کے معاصرین یا شدید مخالفین کی جانب سے بھی ۱۹۸۰ء تک ان پر کبھی اس طرح کا الزام بھی عائد نہیں ہوا۔ اجلاس صدسالہ منعقدہ مارچ ۱۹۸۰ء سے پہلے بھی بعض اراکین شوریٰ نے حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہ مشورہ بھی دیا کہ مولانا سالم صاحب نائب مہتمم بنانے کی تجویز شوریٰ میں پیش کردی جائے جو بلاشبہ منظور ہوجائے گی مگر حضرت مہتمم صاحب نے اس رائے کی قطعی حوصلہ افزائی نہیں کی اور مولانا سالم صاحب نے بھی اس منصب کو لائق اعتناء نہیں سمجھا۔

مگر اجلاس صد سالہ کے بعد جب دارالعلوم کی انتظامیہ کے خلاف سازشیں شروع ہوئیں اور عملی شکل میں اس کی منصوبہ بندیاں آگے بڑھیں تو اللہ بہتر جانتا ہے کہ کس کی رائے یا مشورے سے یابیرونی سازش مولانا محمد سالم قاسمی کو نائب مہتمم اور مولانا انظر شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو صدرالمدرّسین مقرر کردیا گیا، بس کیا تھا مخالفین کے ہاتھوں تیز دھار کا ہتھیار آگیا، پھر اس طرح کے الزامات اور پروپیگنڈے شروع ہوئے جن کا تصور حاملین جبہ و دستار سے متصور ہی نہیں تھا۔

حضرت مولانا محمد سالم صاحب ۸/ جنوری ۱۹۲۶ء میں خاندان قاسمی میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم و تربیت خالص دینی ماحول میں ہوئی، اپنی مکمل تعلیم دارالعلوم دیوبند ہی سے حاصل کی، ۱۳۶۷ھ میں فراغت ہوئی اور دارالعلوم کی تدریس سے وابستہ ہوگئے، خطابت موروثی تھی، حلقہ معتقدین کا، اس لیے ملک و بیرون ملک دعوتی اسفار ہوتے رہے، بلکہ بلامبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ دیوبند میں قیام اور تدریس و اہتمام کے ایام کے مقابلے میں اسفار اور اجلاس، کانفرنس، سیمینار وغیرہ میں شرکت کے لیے دورے زیادہ ہیں۔ ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم وقف دیوبند کا آغاز ہوا، جولائی ۱۹۸۳ء میں حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیبؒ کا وصال ہوا، اسی دن سے دارالعلوم وقف کے متولّی و مہتمم ہیں۔

خاندان قاسمی کی بہت سی خوبیوں اور خصوصیات کے وارث و امین، ہر جماعت اور ہر طبقے کے لیے محترم، باوجودیکہ ان کے خلاف باضابطہ مہم بھی چلائی گئی، ان کو مطعون کرنے کی کوشش ہوئی، مگر انھوں نے کبھی تقریر یا تحریر کے ذریعہ کسی کسے خلاف کوئی بات نہیں کہی، مثبت انداز میں وقف دارالعلوم کا تعارف کرایا، اپنی نجی مجلسوں میں بھی وہ کسی کے خلاف بولنے کے روادار نہیں، نہ غیبت کرنا جانتے ہیں، نہ سننا پسند کرتے ہیں، سخت ترین مخالفین کے خلاف بھی لب کشائی نہیں فرماتے، مجلس میں ہوں تو باوقار، اسٹیج پر ہو ں تو نمونۂ اسلاف، مگر سفر میں ہوں تو مرنجا مرنج، خوش مزاج، مدارس کے اجلاس میں شرکت کرتے ہیں مگر سفر کے تعب و مشقت کا قطعی تذکرہ نہیں،

ہر طرح کے سفر اور بے آرامی کے خوگر، خوردونوش، قیام و طعام میں نہ کوئی پرہیز نہ کسی چیز کی خواہش اور تقاضہ۔

ان سب اسفار اور مشغولیتوں کے باوجود مضمون نویسی اور تالیف کے لیے وقت نکالتے تھے، مختلف عنوانات پر بیش قیمت مقالے تحریر کئے، کتابوں کے لیے تمہیدی مقدمات اور تقریظات بے شمار لکھے، چند کتابیں بھی طبع ہو چکی ہیں، اور بہت سارا مواد طباعت کا منتظر، مطبوعہ کتب میں:مبادئ التربیۃ الاسلامیۃ (عربی)، تاجدارِ ارضِ حرم کا پیغام، مردانِ غازی اور ایک عظیم تاریخی خدمت قابل ذکر ہیں۔ حضرت مولانا کو عربی زبان پر بھی قدرت تھی اس لیے کچھ دینی اور تحقیقی مضامین بھی عربی میں تحریر کئے۔

بالآخر ترجمانِ مسلک دیوبند، جانشین حکیم الاسلام، نائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، صدر مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ ۱۴/اپریل ۲۰۱۸ء کو دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی وفات

ایک عہد کا خاتمہ

بقلم:- مولانا ندیم الواجدی صاحب

خاندانِ قاسمی کے چشم وچراغ، اپنے جد امجد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم ومعارف کے امین، اپنے والد بزرگوار حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیبؒ قاسمی مہتمم دار العلوم دیوبند کے حقیقی جانشین خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ آج اپنے خالقِ حقیقی سے جاملے، مولانا محمد سالم قاسمیؒ کا شمار دار العلوم دیوبند کے ان ممتاز شیوخ اور علماء میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی علمی، دینی، اصلاحی اور تدریسی خدمات سے ایک طویل تاریخ رقم کی ہے، ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں اور صدیوں زندہ رہتے ہیں، وہ علم وعمل کا ایک ایسا آفتاب تھے جو علم کے افق پر لگ بھگ ستر برس تک روشن رہا، افسوس آج یہ آفتاب دیوبند کے قبرستان قاسمی میں غروب ہوگیا ہے۔

مولانا محمد سالم قاسمیؒ نانوتہ ضلع سہارن پور کے مشہور صدیقی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اس خاندان نے امت کو بہت سے علماء وصلحاء عطا کئے ہیں، جن میں حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ وغیرہ حضرات کا ذکر کئے بغیر مغربی یوپی کی علمی اور دینی تاریخ آگے نہیں بڑھ سکتی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دیوبند کو اپنا وطن اور اپنی تعلیمی تحریک کا مرکز بنایا جس سے دار العلوم دیوبند وجود میں آیا، حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ کی پیدائش حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

کے پوتے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دار العلوم دیوبند کے گھر میں ۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۸/ جنوری ۱۹۲۶ء کو ہوئی، اس لحاظ سے حضرت کی عمر ہجری تقویم کے اعتبار سے ۹۴ برس اور عیسوی سن کے اعتبار سے ۹۲ سال ہوئی، حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی والدہ ماجدہ رامپور منیہاران کے ایک علمی گھرانے کی چشم وچراغ تھیں، نہایت نیک، متقی، پرہیز گار، عبادت گزار، معمولات کی پابند خاتون تھیں، مولانا کی ابتدائی تربیت قدیم علمی گھرانوں کی طرح والدہ ماجدہ کے سایۂ عاطفت میں ہوئی، ۱۳۵۱ھ میں تعلیم کا باقاعدہ آغاز ہوا، ناظرہ اور حفظ قرآن کریم کی تکمیل پیر جی شریف گنگوہیؒ کے یہاں ہوئی، جو دار العلوم دیوبند میں درجۂ حفظ کے استاذ تھے اور زندگی بھر آستانہ قاسمی کے ایک حجرے میں مقیم رہے، حفظ قرآن کے بعد دار العلوم دیوبند کے شعبۂ فارسی میں داخلہ لیا، فارسی کے اساتذہ میں مولانا محمد یاسین دیوبندیؒ ، مولانا منظور احمد دیوبندیؒ اور مولانا سید حسن دیوبندیؒ بہ طور خاص قابل ذکرہیں، ۱۳۶۲ھ میں عربی تعلیم کا آغاز ہوا، مکمل نصاب کی تکمیل اس وقت کے ماہر اور معروف اساتذہ کے ذریعے دار العلوم دیوبند میں ہوئی، حضرت کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ، جامع المعقول والمنقول حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا سید فخر الحسن مرادآبادیؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا سید اختر حسین میاں صاحبؒ، حضرت مولانا عبد السمیع صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا قاری اصغر صاحبؒ، حضرت مولانا عبد الاحد صاحب دیوبندی

جیسی عبقری شخصیات شامل ہیں، حضرت کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انھوں نے ۱۳۶۲ھ میں تھانہ بھون حاضر ہوکر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے درس نظامی کی سب سے پہلی کتاب میزان الصرف سبقًا سبقًا پڑھی، حضرت کے انتقال سے آج حضرت تھانویؒ سے براہ راست استفادہ کرنے والے حضرات کے سلسلۂ زریں کا خاتمہ بھی ہوگیا ہے، ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں فراغت حاصل کی۔

آپ کے درسی ساتھیوں میں حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب پاکستانیؒ، حضرت علامہ رفیق احمد بھینسانیؒ، حضرت مولانا عتیق الرحمن سنبھلی، حضرت مولانا سید رابع حسنی ندوی ، حضرت مولانا جلیل میاں حسین دیوبندیؒ، حضرت مولانا فرید الوحیدیؒ وغیرہ جیسے مشاہیر علماء شامل ہیں۔

فراغت کے فوراً بعد ہی دار العلوم دیوبند میں استاذ کی حیثیت سے تقرر عمل میں آیا، ابتداء میں ترجمۂ قرآن کریم اور نور الایضاح وغیرہ کتابوں کا درس دیا، بعد میں مشکوۃ، ہدایہ، شرح عقائد، نخبۃ الفکر، ابوداؤد اور بخاری شریف جیسی کتابوں کا درس بھی دیا، طویل تدریسی زندگی کے دوران ہزاروں شاگردوں نے ان سے استفادہ کیاجو اب حضرت کی یادگار بن کر دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں، وقت کی پابندی، تدریس میں انہماک، غیر ضروری مشاغل سے گریز آپ کے مزاج میں شامل تھا، فارغ اوقات میں کتب بینی میں مشغول رہتے، دعوتی اور اصلاحی اسفار کا طویل سلسلہ رہا، جو دار العلوم دیوبند کی تدریس کے زمانے سے دو سال قبل تک بلا انقطاع جاری رہا، اس دوران دنیا بھر میں آمد ورفت رہی،

اپنے والد بزرگوار کی طرح ہندوستان کے ہر شہر میں گئے اور وہاں کے لوگوں کو اپنے مواعظ سے استفادے کا موقع دیا، ان کے مواعظ کا مجموعہ "خطبات خطیب الاسلام" کے نام سے کئی جلدوں میں چھپ چکا ہے۔

دیوبند میں جامعہ دینیات کا قیام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کے اہم کارناموں میں سے ایک ہے، یہ ادارہ حضرت کی فکری بلندی اور بالغ نظری کا آئینہ دار ہے، جو اس لئے قائم کیا گیا تاکہ یونی ورسٹیوں اور کالجوں میں مصروف طلبہ مراسلاتی کورس کے ذریعہ دین کی تعلیم حاصل کرسکیں، اس ادارے سے اب تک لاکھوں طلبہ وطالبات استفادہ کرچکے ہیں، جامعہ دینیات کے نصاب ونظام کے مطابق ابتدائی دینیات، عالم دینیات اور فاضل دینیات کے لئے ہر سال ملک کے مختلف سینٹروں میں امتحان منعقد ہوتے ہیں، کامیاب امیدوار ملک کی متعدد یونی ورسٹیوں میں داخلے کے اہل سمجھے جاتے ہیں۔

اجلاس صدسالہ کے بعد دار العلوم دیوبند میں اختلافات رونما ہوئے اس کے نتیجے میں دار العلوم دیوبند کے متعدد بڑے اساتذہ اور بہت سے ملازمین باہر آگئے، اس وقت دار العلوم وقف دیوبند کی بنیاد رکھی گئی، یہ واقعہ ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۴ء کا ہے، اس نومولود دار العلوم دیوبند کے اوّلین مہتمم کے طور پر حضرت کا انتخاب عمل میں آیا، آج یہ ادارہ بھی ملک کے بڑے اداروں کی صف میں شامل ہوچکا ہے، اہتمام کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا نے دار العلوم وقف میں سالہا سال تک بخاری شریف کا درس بھی دیا، کمزوری اور پیرانہ سالی کے باعث فی الوقت

آپ اہتمام کی ذمہ داریوں سے سبک دوش ہو چکے تھے، البتہ سرپرستی آخری لمحۂ حیات تک جاری رہی۔

دار العلوم وقف دیوبند کے اہتمام اور تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رہا، اس دوران کئی کتابیں منظر عام پر آئیں جن میں "مبادئ التربیۃ الاسلامیہ" عربی، "تاجدار ارض حرم کا پیغام"، "مردِ غازی"، "عظیم تاریخی خدمات" وغیرہ ذکر ہیں، سینکڑوں مضامین تشنۂ طباعت موجود ہیں، حضرت نے دار المعارف کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ بھی قائم کیا جس سے اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی تصانیف شائع فرمائیں۔

آپ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نائب صدر تھے، اس کے علاوہ سالہا سال تک آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے صدر بھی رہے، سرپرست اسلامک فقہ اکیڈمی، رکن کورٹ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ، ممبر مجلس شوریٰ مظاہر العلوم وقف سہارن پور، رکن مجلس انتظامیہ دار العلوم ندوۃ العلماء بھی رہے، کئی اعزازات سے بھی نوازے گئے، مصری حکومت کی طرف سے نشان امتیاز دیا گیا، حضرت شاہ ولی اللہ ایوارڈ سے بھی سرفراز کئے گئے، پہلے بین الاقوامی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ایوارڈ کے لئے بھی دنیا بھر کے منتخب علماء نے آپ ہی کا انتخاب کیا۔

آپ کے چار صاحب زادے ہیں، جناب محمد سلمان قاسمی مقیم پاکستان، مولانا محمد سفیان قاسمی مہتمم دار العلوم وقف دیوبند، جناب محمد عدنان قاسمی، حافظ محمد عاصم قاسمی چیرمین طیب ٹرسٹ دیوبند اور دو صاحب زادیاں، محترمہ اسماء اعجاز اور محترمہ عظمی ناہید ہیں،

ثانی الذکر کا شمار ملک کی نہایت نامور اور فعال خواتین میں ہوتا ہے۔

ابتداء میں مولانا محمد سالم قاسمیؒ حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری سے بیعت ہوئے، ان کی وفات کے بعد والد محترم سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور خلافت واجازت بیعت سے سرفراز ہوئے، حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ کے مریدین ومتوسلین کی تعداد بھی لاکھوں سے متجاوز ہے، تقریباً سو اصحاب علم کو خلافت سے نوازا، حضرت مولانا سالم قاسمیؒ اپنے جد امجد حضرت نانوتویؒ کے علوم ومعارف کے امین وترجمان تھے، ان کی ہر مجلس ان کے ذکر سے معمور رہتی تھی، درسی تقریروں میں اور علمی مجالس میں حضرت کی زبان گہر بار سے فیوض قاسمیہ کی اشاعت کا سلسلہ لگ بھگ ستر برس تک جاری رہا، افسوس ۱۴/ اپریل ۲۰۱۸ء بروز شنبہ دن کے ۲ بج کر ۱۵ منٹ پر حضرت اپنے لاکھوں شاگردوں اور مریدوں کو بہ طور خاص دونوں دار العلوموں کے ہزاروں طلبہ اور اہل دیوبند کو غمزدہ چھوڑ کر رخصت ہوگئے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

از قلم محمد حامد چترا وی متعلم دارالعلوم وقف دیوبند

رئیس المتکلمین جانشین حکیم الاسلام خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وفات کے موقع پر لکھی گئی

نظم

الوداع اۓ ابن طیب الوداع اب الوداع
چھوڑ کراب اس جہاں کو ہوگئے سب سے جدا
الوداع اۓ ابن طیب الوداع اب الوداع

اس زمیں پر قاسمیت کا امین پاسباں
مرکز دیوبند کا تھا وہ یقینا ترجماں
فیض اپنا عام کرکے سوۓ مرقد چل بسا
الوداع اۓ ابن طیب الوداع اب الوداع

حضرت سالم کا سایہ آج سر سے اٹھ........گیا
اور مرد ہوشمند ہم سب سے پھر یوں روٹھ گیا
کرکے سونا اس جہاں کو رب کے جانب چل دیا
الوداع اۓ ابن طیب الوداع اب الوداع

باندھ کر رخت سفر پہلے سے وہ تیار تھا
مصطفے کے عشق میں پیوست تھا دلدار تھا
رب کا تھا انمول نعمت آج ہم سے چھن گیا
الوداع اے ابن طیب الوداع اب الوداع

جامعہ دارالعلوم وقف کا تھا وہ مدیر
سرپرستی کررہے تھے وہ یقینا بے نظیر
رو رہے ہیں اہل گلشن چھوڑ کر جو تو گیا
الوداع اے ابن طیب الوداع اب الوداع

حضرت اشرف علی کے تھے وہ تلمیذ رشید
ابن طیب بھی تھے سالم اورشاگرد ...رشید
بے پناہ القاب کے حامل تھے *حامد*وہ یہاں
الوداع اے ابن طیب الوداع اب الوداع

حضرت مولانا سالم صاحب کی رحلت

حادثہ سخت ہے اور جان عزیز

از قلم.... مولانا محمود دریابادی

چھ ساڑھے چھ برس عمر ہی کتنی ہوتی ہے مگر مجھے یاد ہے جب پہلی بار حضرت مولانا سالم صاحب کو دیکھا تھا' دراصل ممبئ میں اسلامی سال کے آغاز محرم میں مسلم محلوں کے اندر وعظ کی نشستیں منعقد کرنے کی روایت نہ جانے کب سے چلی آرہی ہے، تمام مکاتب فکر کے مسلمان اِنھیں منعقد کرتے ہیں اور ملک کے مختلف حصوں سے اپنے علماء کو بلا کر فلسفہ شہادت ودیگر عنوانات پر تقریریں کرواتے ہیں۔

اپنے حلقے کے مشہور عالم دین اور مقبول واعِظ حضرت مولاناابوالوفا شاہجہانپوری کے مواعظ بھی اس موقع پر بھنڈی بازار پٹھان واڑی میں ہوا کرتے تھے، عام دنوں میں تو یہ جلسے عشا بعد ہوتے تھے مگر عاشورہ کے دن چونکہ آس پاس کے علاقے میں کچھ لوگ راستوں پر غیر شرعی کھیل تماشے کیا کرتے تھے ان سے اپنے لوگوں کو محفوظ رکھنے کے لئے اس دن صبح آٹھ بجے سے ظہر تک بھی ایک جلسہ ہوتا تھا، اس جلسے کی خصوصیت یہ ہوتی تھی کہ ان دنوں ممبئ میں وعظ کرنے والے تمام حلقہ دیوبند کے علماء کو دعوت دی جاتی تھی تھوڑی تھوڑی دیر ہی سہی سب کے بیانات ہوتے تھے، بہت بڑی تعداد میں سامعین کی شرکت ہوتی تھی، مولانا ابوالوفا صاحب کے بعد یہ دن والا جلسہ توختم ہوگیا رات کے جلسے اب بھی ہوتے ہیں۔

یوم عاشورہ کے ایسے ہی کسی جلسے میں خطیب الاسلام کی پہلی زیارت ہوئی تھی، چھوٹی سی عمر میں ابّا کی انگلی پکڑ کے میں اس جلسے میں شریک ہوا تھا- یہ بھی یاد ہے کہ جلسے کی صدارت اور نظامت خود حضرت مولانا ابوالوفا صاحب فرمارہے تھے، اس میں سیاہ ڈارھی ' متوسط قد ' دوہرے بدن اور بھاری آواز کی حامل ایک شخصیت کا تعارف مہتمم دارالعلوم دیوبند حکیم الاسلام قاری طیب صاحب کے صاحبزادے کی حیثیت سے کرایا گیا، نام سنتے ہی لوگ سنبھل کر بیٹھ گئے، تقریر کیا ہوئی کیسی ہوئی چھ سال کی عمر میں مجھے کیا سمجھ میں آتا، مگر شخصیت کی تصویر جو اس وقت ذہن میں چسپاں ہوئی تھی آج بھی تازہ ہے-

اس کے بعد نہ جانے کتنی مرتبہ ممبئ میں زیارت ہوئی یاد نہیں مگر اپنی کم عمری کی وجہ سے مصافحہ کا شرف حاصل نہیں کرپایا، پہلی بار قریب سے اس وقت دیکھا جب دارالعلوم میں درجہ ہفتم میں احقر کا داخلہ ہوا، مگر اتفاق یہ بھی ہوا کہ اُس سال ہمارا کوئی سبق حضرت سے متعلق نہیں ہوسکا، حضرت اُن دنوں ہفتم کی غالبا مشکوۃ پڑھاتے تھے مگر ہماری مشکوۃ حضرت مولانا نعیم صاحب سے متعلق تھی، مگر حضرت کو اپنی مخصوص ہیئت اور خاص رفتار کے ساتھ گھر سے درسگاہ تک آتے جاتے ہمیشہ دیکھتے تھے، راستے میں ملنے والے طالبعلم سلام کرتے تو جواب دیتے مگر ادھر اُدھر دیکھے بغیر آگے بڑھ جاتے، یاد پڑتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک طالب علم نے راستے میں سلام کے بعد مخاطب کرتے ہوئے عرض کیا تھا کہ " حضرت آج سبق میں حاضر تھا مگر جب حاضری ہورہی تھی تب اپنا نام نہیں سن سکا اس لئے غیر حاضری لگ گئی ہے-

حضرت کا جواب اب بھی دماغ میں گونج رہا ہے، " جفّ القلم ' مَضیٰ ما مَضیٰ " یہ کہتے ہوئے اسی " خرام مستانہ " کے ساتھ آگے بڑھ گئے -

دارالعلوم کی علاقائی انجمنوں کے جلسے میں بارہا حضرت کے بیانات سے بھی مستفیض ہونے کا موقع ملا ' صاف اور شُستہ زبان ' یکساں انداز ' بار بار " ظاہر ہے " اور غیر معمولی " کا تکیہ کلام جو سننے والے کو بھلا لگتا تھا نیز اپنے مخصوص انداز میں علوم ومعارف خصوصا حکمتِ قاسمیہ کی ترسیل اب بھی کانوں میں رس گھول رہی ہے -

دورہ حدیث میں ابوداؤد ثانی کا سبق آپ سے متعلق ہوا، گھڑی دیکھ کر صحیح وقت پر دارالحدیث فوقانی میں تشریف لاتے ' مسند پر تشریف فرما ہوتے، عبارت ہوتی، سبق شروع ہوتا گویا کوئی علم کی مشین کُھل گئی، ایسا لگتا تھا سامنے کوئی کتاب رکھی ہے جس سے کوئی تحریر پڑھی جارہی ہو کوئی رُکاوٹ نہیں، کوئی اتار چڑھاو نہیں، کوئی غیر ضروری بات، واقعہ، لطیفہ کچھ بھی نہیں، بس " ظاہر ہے " اور" غیر معمولی " کی متناسب تکرار، وقت پورا ہوا، کتاب بند، حضرت روانہ ....،

ہم اپنی نالائقی یا بد شوقی کی وجہ سے ہمیشہ درسگاہ کے " پس نشینوں " میں رہے ہیں اس لئے تعلیم کے دوران دارالعلوم کے اپنے اساتذہ سے بہت زیادہ روابط نہیں رہے، لیکن اپنی " جسمانی فربہی " اور دیگر غیر درسی قسم کی مشغولیات کی وجہ سے بیشتر اساتذہ وطلبا یہاں تک کہ دیوبند کے اکثر رکشہ والے بھی پہچاننے لگے تھے۔

ویسے دارالعلوم کی زندگی میں حضرت سے بالمشافہہ گفتگو کا بس ایک ہی موقع ملا........، ہوا یہ تھا کہ ہمارے دورے کے سال میں شیخ الاسلام لائبریری کے زیر اہتمام ہم لوگوں نے ایک بڑا جلسہ کرنا طے کیا تھا جس میں ملک کے نامور علماء مولانا سعید احمد اکبر ابادی ' مولانا اسعد مدنی، مولانا اخلاق حسین قاسمی اور علامہ انور صابری وغیرہ شریک ہورہے تھے، اس وقت مسجد رشید تعمیر نہیں ہوئی تھی اور دارالعلوم میں سب سے بڑا ہال دارالحدیث تحتانی ہی تھا تمام بڑے پروگرام چاہے وہ دارالعلوم کے اپنے ہوں یا طلبا کے وہیں ہوا کرتے تھے، ہم لوگوں کا جلسہ بھی وہیں ہونا تھا، مگر اتفاق یہ ہوا کہ اجلاس صدسالہ کی تیاری کے سلسلے میں ہمارے جلسے کے ٹھیک دوسرے دن دارالعلوم نے پورے ملک کے مشاہیر کا ایک نمائندہ اجتماع طلب کرلیاتھا، اب ہمارا جلسہ خطرے میں پڑگیا تھا مہینوں سے ہم لوگ تیاری کر رہے تھے، علماء کو دعوت دی جاچکی تھی، مقالے تیار تھے، نعت خواں، مقررین سب تیاری کرچکے تھے، مہمانوں کی مدارات، جلسہ گاہ، ناشتہ پانی ساری ذمہ داریاں بانٹ دی گئی تھیں، عین موقع پر جلسے پر منڈالے والے اس خطرے سے تھے ہم تمام طلبا سہمے ہوئے تھے - ہم سب جانتے ہیں کہ تعلیمی زندگی میں یہی چھوٹی چھوٹی خوشیاں اس وقت بہت بڑی دکھائی دیتی تھیں - اس موقع پر ایک اور اطلاع آئی کہ نمائندہ اجتماع کے سلسلے میں جو بڑے اساتذہ کی میٹنگ ہوئی اس میں ہمارے جلسے کا ذکر ایسے انداز میں آیا جس کو ہم لوگ " ذکر خیر " نہیں کہہ سکتے تھے، اطلاع کے مطابق میٹنگ میں یہ طے ہورہا تھا کہ نمائندہ اجتماع طلبا کے جلسے کے مقابلے میں زیادہ ضروری ہے،

اس لئے طلبا کا جلسہ ملتوی کرادیا جائے، چونکہ حضرت مہتمم صاحب اتفاق سے اس میٹنگ میں شریک نہیں تھے اس لئے آخری فیصلہ ان پر چھوڑ دیا گیا......، انتہائی بارسوخ ذریعے سے ہم لوگوں کو یہ اطلاع فورا مل گئی، ہم لوگوں نے فورا ہنگامی میٹنگ بلائی طے کیا گیا کہ آج ہی حضرت مہتمم صاحب سے ملنا چاہئیے، چنانچہ مغرب بعد ہم آٹھ دس لوگ طیب منزل پہونچے، حضرت مہتمم صاحب موجود نہیں تھے مولانا سالم صاحب سے ملاقات ہوئی، ہم لوگوں نے پوری صورت حال بیان کی اور جلسہ کی تیاری اور طلبا کی محنت ذوق وشوق کا حوالہ دیتے ہوئے درخواست کی ہم لوگوں کا جلسہ ملتوی نہ کرایا جائے آگے سالانہ امتحان ہے، طلبا تیاری میں لگ جائیں گے، بیرونی مہمانوں کی منظوری بھی مل چکی ہے دوبارہ ان سے نئی تاریخیں بھی شاید نہ مل سکیں۔

حضرت نے ہم لوگوں کی بات پوری توجہ سے سنی اور پہلے تو تعجب کا اظہار فرمایا کہ آپ لوگوں کی خفیہ اتنی تیز ہے کہ ہماری میٹنگ میں ہونے والی اندورنی گفتگو کی بھی اطلاع آپ تک پہونچ گئی، آگے آپ نے وہی اصولی بات فرمائی کہ دارالعلوم کا مفاد مقدم ہے، دارالعلوم ہی کے مفاد سے ہم سب کا مفاد وابستہ ہے، چونکہ دوسرے دن صبح ہی نمائندہ اجتماع اسی جگہ ہونا ہے اس لئے جلسہ گاہ کو رات ہی میں تیار کرکے رکھنا ہوگا اس لئے یہ بات آئی تھی کہ اُپ لوگوں کا جلسہ ملتوی ہوجائے۔

حضرت کے اس جواب سے ہم لوگ مایوس ہوگئے اسی وقت اللہ نے احقر کے دماغ میں ایک نئی بات ڈالی میں نے عرض کیا کہ " حضرت اگر دارالحدیث تحتانی میں ہمارا پروگرام ممکن نہیں ہے

تو ہم لوگ دارالحدیث فوقانی میں اپنا پروگرام منتقل کرسکتے ہیں .....؟ میں نے اسی وقت ایک دوسرا پینترہ بھی پھینکا کہ " اگر دارالحدیث تحتانی میں بھی ہمارا پروگرام ہوتا ہے تو ہمیں ہدائت دی جائے ہم جلسہ گاہ کو نمائندہ اجتماع کی ضرورت کے مطابق رات ہی میں تیار کردیں گے ......، اور میرا آخری پینترہ یہ تھا کہ " پورے ملک سے نمائندہ اجتماع میں شریک ہونے والے مشاہیر یقینا ایک دن پہلے پہونچ جائیں گے اور وہ سب بھی ہمارے جلسے میں شریک ہوں گے اور ان کے سامنے ہم طلبا کامظاہرہ بھی کسی حد دارالعلوم کی نیک نامی کا سبب بن سکتا ہے۔

میری اس گفتگو کے بعد حضرت نے میری طرف غور سے دیکھا اور فرمایا " اب آپ نے جو یہ نئی تجویز پیش کی ہے اس پر مشورے کے بعد ہی کوئی جواب دیا جاسکتا ہے،

ہم لوگ واپس آگئے، حضرت سے یہ ملاقات خاص طور پر مجھے اس لئے بھی اچھی لگی کہ حضرت نے ہم طلبا کی بات پورے اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ سنی، جوابی گفتگو میں بھی نرمی اور ہمدردی کا اظہار فرمایا۔ بہر حال جلسہ ہوا اسی تاریخ اور اسی جگہ پر ہوا، بہت کامیاب رہا بیرونی علما کرام اور نمائندہ اجتماع کے بعض مشاہیر کے بیانات ہوئے طلبا کی تقریریں ' مقالات بہت پسند کئے گئے احقر کا بھی ایک مقالہ تھا وہ بھی بہت پسند کیاگیا(افسوس محفوظ نہیں رہا)

فراغت کے بعد اجلاس صد سالہ کے موقع پر بھی دور سے زیارت ہوئی، پھر دارالعلوم کا قضیہ نامرضیہ پیش آگیا، پتہ چلا کہ جامع مسجد میں دارالعلوم وقف قائم ہواہے ......

اسی دوران ایک دن اچانک ممبئی میں میرے دواخانے کے سامنے ایک گاڑی رکی، میں نے دیکھا کہ حضرت مولانا سالم صاحب اگلی سیٹ پر تشریف فرماہیں پیچھے دوافراد اور ہیں، میری نظر پڑی فورا بھاگا ہوا گیا، سلام کیا ' موٹا ہونا اس دن بھی کام آیا، تعارف کی ضرورت پیش نہیں آئی حضرت نے پہچان لیا، معلوم ہوا کسی صاحب کے انتظار میں یہاں ٹھہرے ہیں، دھوپ شدید تھی اس لئے میں نے درخواست کی کہ جب تک دواخانے میں تشریف رکھیں، تشریف لائے......، وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے ......کلاہِ گوشہ دہقاں بہ آفتاب رسید -

دواخانے کی اس مختصر سی اتفاقی ملاقات کے بعد ایک مرتبہ اور ذرہ نوازی فرمائی باقاعدہ ارادہ کرکے ملنے تشریف لائے ، حضرت قاری صدیق صاحب باندوی علیہ الرحمہ کی وفات پر ہم لوگوں نے ممبئی میں ایک بڑا تعزیتی جلسہ کیا اس میں دعوت دی تشریف لائے، انتہائی موثر صدارتی تقریر فرمائی....،

ڈاکٹر ذاکر نائیک نے ممبئی میں ایک زبردست پروگرام کیا تھا جس میں امام کعبہ سمیت متعدد عالمی شخصیات بھی شریک ہوئی تھیں، ممبئی کے علماء ذاکر نائک کے بعض نظریات کی وجہ سے اس کو پسندنہیں کرتے تھے..... مگر ذاکر نائیک نے دولت کے زور پر محض ممبئی کے علماء کو بے عزت کرنے کے لئے بعض علماء دیوبند وندوہ کو بھی اپنے پروگرام میں مدعو کیاتھا، ہم لوگوں نے اپنے تمام علماء جن کو اس نے مدعو کیا تھا سے رابطہ کرکے

ان کو ذاکر نائک کے نظریات وخیالات سے اگاہ کیا اور اس کے پروگرام میں اپنے علماء کی شرکت سے مسلک دیوبند کو ہونے والے نقصانات کو بتایا، افسوس ہمارے بیشتر علماء نے ہماری معروضات پر توجہ نہیں دی اور "کیسہ زر" کو مسلک پر مقدم رکھا، مگر آفریں صد آفریں، خانوادہ قاسمی کے اس فردِ فرید پر جو پروگرام میں شرکت کے لئے ممبئی تشریف لاچکے تھے مگر جب ہم لوگوں نے ملاقات کرکے پوری تفصیل گوش گذار کی تو بغیر پروگرام میں شرکت کئے ہوئے واپس تشریف لے گئے، ممبئی میں قیام گاہ پر لینے آنے والی ذاکرنائیک کی گاڑی واپس کردی۔

لکھنو کے ایک پروگرام میں احقر بھی مدعو تھا، حضرت مہمان خصوصی تھے، اس میں احقرنے بھی ایک عدد کج مج قسم کی تقریر کی تھی، پروگرام کے بعد ملاقات جب ہوئی فرمانے لگے کہ " تعارف تو پہلے سے تھا جناب سے استفادے کا آج موقع ملا، حضرت کی اس خورد نوازی پر میں کٹ کے رہ گیا۔

دویا تین سال قبل ممبئی میں ہی انجمن اہل السنہ والجماعہ کی سالانہ تحفظ سنت وسیرت صحابہ کانفرنس میں تشریف لائے تھے۔ نقاہت کے باوجود آخر تک موجود رہے، تقریر فرمائی اگرچہ عمر کی زیادتی کے باعث کچھ الفاظ صاف نہیں تھے مگردرمیان میں آنے والی قرانی آیات بالکل صاف مخارج کے ساتھ تلاوت فرماتے تھے۔

ضعف تو تھا ہی پچھلے کئی دنوں سے صحت کی خرابی کی اطلاعات بھی آرہی تھیں، ویسے بھی عمر طبعی کو پہونچ چکے تھے، کب ساتھ چھوڑ جائیں یہ دھڑکا بھی تھا ...... مگر جب وفات کی اطلاع آئی تو ایسا لگا کہ اتنی جلدی ..... اچانک...؟

یقینا حضرت کے صاحبزادگان ودیگر اہل خانہ تعزیت کے مستحق ہیں ..... ہم ان کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش بھی کرتے ہیں.....،

مگر کیا ہم متعلقین و متوسلین حضرت کے کچھ نہیں لگتے؟
کاش ہم سے بھی کوئی تعزیت کرتا۔

دیوبند میں موت کا سناٹا
خطیب الاسلام کا وصالِ عظیم

بقلم:-حضرت مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی

نائب ناظم تعلیمات و استاد:-جامعہ الامام محمد انور شاہ علیہ الرحمہ دیوبند۔الہند

بالآخر وہی ہوا جو ہونا تھا۔ دارالعلوم وقف دیوبند کے سابق مہتمم، پھر سابق صدر مہتمم خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب آج دوپہر میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ *انا للہ وانا الیہ راجعون* دھڑکا تو پہلے ہی لگا تھا۔ بیماری اور طویل علالت کے بعد یوں بھی اچھی خبر کم ہی سننے میں آتی ہے۔ پھر یہاں تو طولِ عمری کے ساتھ طولِ نقاہت اور درازئ عدمِ صحت بھی دامن گیر تھی۔ میں کل ہی حضرت کی عیادت کر آیا تھا۔ کل دیکھ کر اوروں کی طرح مجھے بھی لگا تھا کہ چراغِ سحر آخری لو دینے کے قریب ہے۔ آکسیجن کے ذریعے سانس لیا جارہا تھا۔ خطرہ جس کا تھا وہ پیش آکر رہا۔ کل کے *دام ظلہ* آج *مرحوم* ہوگئے۔

جامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند میں ایصالِ ثواب

مولانا کا وصال دو بج کر 44 منٹ پر ہوا۔ سانحے کی خبر مجھے اسی وقت مل گئی۔ جامعہ میں شام کی تعلیم 3 بجے سے ہے۔ میں وہاں گیا۔ دیکھا کہ اساتذہ اور طلبہ کے چہروں پر مردنی چھائی ہے۔ ہر آنکھ نم اور ہر دل پر غم۔ طلبہ اور اساتذہ نے قرآن خوانی کے بعد ایصالِ ثواب کیا۔ یہ مجلس *مسجدِ انور شاہ* میں منعقد کی گئی۔

میں نے انتظامیہ سے صلاح و مشورے کے بعد تعلیم کے موقوف کرنے کا اعلان کر دیا۔

کاشانۂ قاسمی پر دیوانوں کا ہجوم

دعائے مغفرت کے بعد زیارت کے لیے نکلا تو عظیم ازدحام میرے سامنے تھا۔ سڑکیں بھری ہوئیں اور گلیاں عازمینِ زیارت سے مملو۔ پتہ چلا کہ جسدِ خاکی حضرت مولانا اسلم قاسمیؒ کے صحن میں ہے۔ دیوان گیٹ پر پہونچا تو آدمی پر آدمی چڑھ رہا تھا۔ طلبہ زیارت کے لیے بے چین۔ ہجومِ بے پناہ ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب۔ اتنے ازخود رفتہ کہ اساتذہ کو پہچاننے سے بھی عاری۔ کافی دیر میں دروازے پر کھڑا رہا۔ ریلا نسبتاً کم ہوا تو میں اندر پہونچا۔ دیکھا کہ چارپائی پر مولانا لیٹے ہوئے ہیں۔ نورانی چہرہ موت کے بعد مزید منور تھا۔ مولانا بے حس و حرکت پڑے تھے۔ دیکھ کر رونا آگیا۔ دیکھا، بار بار دیکھا، وہاں سے ہٹنے سے طبیعت نہیں چاہ رہی تھی، تاہم زائرین کے لیے بادلِ ناخواستہ وہاں سے آنا پڑا۔ آہ کیسے کہیے کہ ایک چراغ بجھ گیا۔ علم کا چراغ۔ معرفت کا چراغ۔ اخلاص و وفا کا چراغ۔ ایسا چراغ جس نے اندھیروں کو ہمیشہ شکست دی۔

خانوادۂ قاسمی کا گوہرِ شب تاب

مرحوم عظیم ترین شخصیت رکھتے تھے۔ عظیم نسبتوں کے ساتھ عظیم خدمات بھی ان سے منسوب۔ وہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا

قاسم نانوتویؒ کے پرپوتے، شمس العلماء حضرت مولانا حافظ احمد صاحبؒ کے حفید اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے فرزندِ اکبر تھے۔ خانوادۂ قاسمی کے گوہرِ شب تاب اور قاسمی علوم و معارف کے وارث و امین۔ خاندانی روایات کے حامل اور پشتینی حلم و کرم کے پیکرِ صادق۔

سوانحی خد و خال

مولانا کی ولادت 8 جنوری 1926 میں ہوئی۔ آپ اپنے والدین کی اولاد میں سب سے بڑے تھے۔ ابتدائی اور مکتبی تعلیم کے ساتھ عربی و فارسی کی ساری تعلیم دارالعلوم دیوبند سے پائی۔ اساتذہ میں علامہ ابراہیم بلیاویؒ، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہویؒ اور حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ نمایاں تھے۔

حضرت تھانویؒ کے آخری شاگرد

مرحوم کی خاص بات یہ ہے کہ انہیں حکیم الامت مجددِ ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بھی شرفِ تلمذ رہا ہے۔ انہوں نے اپنے والد کی ہدایت پر حضرت تھانویؒ سے درسِ نظامی کی بنیادی اور اہم کتاب *میزان الصرف* پڑھی۔ وہ اس وقت حضرت تھانویؒ کے براہِ راست آخری شاگرد تھے۔

میدانِ عمل میں

فراغت 1948 میں پائی۔ صیغۂ طالب علمی سے نکلے تو اسی سال دارالعلوم میں مدرس ہو گئے۔ اختلافِ دارالعلوم تک یہیں استاذ رہے۔ اس دوران ابتدا سے لے کر انتہا تک تقریباً ساری کتابیں پڑھائیں۔ نور الایضاح، میبذی، سلم العلوم بھی آپ سے وابستہ رہیں۔ ان کا درسِ مشکوٰۃ بہت زیادہ مشہور تھا۔ احادیث کا یہ عظیم ذخیرہ سالوں ان سے وابستہ رہا۔ شرح عقائد کے دروس بھی کافی سرخیوں میں رہے۔ اخیر میں بخاری شریف جلد ثانی کے بھی چند حصے ان سے متعلق رہے۔ دم دار پڑھاتے۔ خوب تحقیق و تدقیق سے پڑھاتے۔ نفسِ مضمون تک رسائی اور تفہیمِ عبارت پر ان کے یہاں زیادہ زور تھا۔ ان کے اسباق دارالعلوم میں خاصی شہرت رکھتے۔

دارالعلوم وقف میں

دارالعلوم کے قضیۂ نامرضیہ کے بعد دارالعلوم وقف کے نام سے ایک نیا عالمی مرکز سامنے آیا تو اپنے نامور والد کے بعد مہتمم بنائے گئے۔ کم و بیش 35 سال اس کا اہتمام سنبھالا۔ دارالعلوم وقف میں منعقد پہلی مجلسِ شوریٰ میں ان کا اہتمام، صدر اہتمام میں بدل گیا۔ اب وہ تادمِ حیات صدر مہتمم تھے۔ بخاری شریف کے اسباق بھی متواتر ان سے متعلق رہے۔

تنظیموں سے وابستگی

مرحوم دارالعلوم سے وابستگی کے ساتھ متعدد تعلیم گاہوں کے ذمے دار بھی تھے۔ جامعہ دینیات کے سرپرست اور مظاہرِ علوم وقف کی مجلسِ شوریٰ کے صدر بھی۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی شوریٰ کے رکن رہے۔ ملی تنظیموں سے بھی سرگرم وابستگی رہی۔ مسلم مجلسِ مشاورت کے صدر، مسلم پرسنل لا بورڈ، علما کونسل مصر، اور دیگر سرکردہ تنظیمات کے بھی فعال ممبر رہے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کے تاحیات نائب صدر رہے۔ سفر ان کی زندگی تھا۔ سفر در سفر میں ان کی مثال نادر تھی۔ آخر عمر میں بھی ان کا شوقِ سفر عروج پر تھا۔ یہ اسفار دعوتی تھے۔ ملک کا چپہ چپہ چھان ڈالا۔ بیرونِ ممالک میں بھی شاید کوئی ملک چھوٹا ہو۔

تقریر و خطابت

مولانا نے تدریس کے ساتھ تقریر میں بھی اپنا نام کمایا۔ قوتِ کلام اور زورِ بیان میں ان کا وہ مقام کہ *خطیب الاسلام* کے بڑے لقب سے سرفراز کیے گئے۔ تقریر بڑی شستہ اور شگفتہ ہوتی۔ زبان شیرینی و حلاوت سے لبریز۔ جو بات کرتے نقل کے ساتھ عقل سے بھی ہم آہنگ۔ طرزِ استدلال مقناطیسیت سے عبارت۔ آواز میں بلا کی کشش۔ جس تقریب میں جاتے، چھا جاتے۔ جس بزم میں شریک ہوتے صدر نشیں بن جاتے۔

حلم و تحمل، عفو و درگذر

مولانا کے اوصافِ جمیلہ میں حلم و تحمل کو ممتاز مقام حاصل ہے۔ اپنے مخالفین کے ساتھ بھی ان کا رویہ خیرخواہانہ، مخلصانہ،

متواضعانہ رہتا۔ زبان غیبت سے پاک۔ مجلس بدگوئی سے منزہ۔ کفِ لسان ان کا شعار تھا۔ دارالعلوم کا مشہورِ زمانہ ہنگامہ ہوا تو اپنا سب کچھ گنوا دینے کے باوجود ان کے لب حرفِ شکایت سے نا آشنا رہے۔ حیرت انگیز تو یہ کہ 2005 میں فدائے ملت حضرت مولانا اسعد مدنیؒ سعودی میں شدید بیمار پڑے تو پہلے ٹیلی فون سے عیادت کی اور پھر وہاں حاضری۔ حالانکہ دوریوں کا دامن کئی دہائیاں دراز ہو چکا تھا۔ مولانا کی ان اداؤں نے مولانا مدنیؒ کو بھی حیرت زدہ کردیا۔ بہت دنوں تک انہیں اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہ آیا۔

تصنیفات و تالیفات اور شعر و سخن سے تعلق

مرحوم زبردست صاحبِ قلم بھی تھے۔ کئی نادر و نایاب تحریریں ان کے خامۂ گوہر بار سے نکلیں۔ چند کتابیں بھی ان کے قلم سے معرضِ وجود میں آئیں، جن میں *مبادئ التربیۃ الاسلامیۃ، جائزہ تراجمِ قرآن، تاجدارِ ارضِ حرم کا پیغام، مردانِ غازی، ایک عظیم تاریخی خدمات اور سفر نامۂ برما* خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ وہ بہترین قلم کے حامل تھے۔ سطر سطر علم و عرفان اور وسعتِ مطالعہ کا غماز ہوتا۔ علمی اور گاڑھی زبان ان کی شناخت تھی۔ عام فہم زبان بولنے پر وہ قادر نہیں تھے۔ علما کے لیے ان کا لوح و قلم اور زبان و بیان نعمتِ عظمٰی تھا۔ ان کے ساتھ وہ شعر و سخن کے بھی رمز آشنا تھے۔ ان کی یہ خوبی خدمات کے دوسرے ہجوموں میں کھو گئی۔ 1968 میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ مع اہلیہ سفرِ حج سے واپس آئے تو مولانا مرحوم نے ایک طویل

نظم ان کے خیر مقدم میں لکھی۔ ان کی کچھ نظمیں محفوظ بھی ہیں۔

ایوارڈ و اعزازات

شخصیت عظیم ہو تو ایوارڈ و اعزازات بھی اس کے پیچھے دوڑتے ہیں۔ مولانا بھی ان اعزازات سے سرفراز ہوتے رہے۔ ایک بڑا ایوارڈ *حضرت نانوتویؒ ایوارڈ* ہے، جو انہیں ترکی میں متعدد ممالک کی باوقار موجودگی میں دیا گیا تھا۔ اس ایوارڈ سے حلقۂ دیوبند میں بے پناہ مسرت دیکھی گئی۔ تقریب کے بعد دیوبند آئے تو جگہ جگہ ان کو استقبالیہ دیا گیا۔ ایک استقبالیہ دیوبند کے *شیخ الہند ہال* میں بھی دیا گیا، جس میں مجھے بھی اظہارِ خیال کا موقع ملا تھا۔ اس کے علاوہ نہ جانے اور کتنے اعزازات ان کے تعاقب میں رہے۔

جامعہ امام محمّد انور شاہ، دیوبند سے محبت

مرحوم، فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ کے یارِ غار تھے۔ دارالعلوم سے لے کر دارالعلوم وقف تک ایک طویل رفاقت رہی۔ امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی گود میں بھی کھیل چکے تھے۔ یہ قدیم ترین مراسم کا نتیجہ تھا کہ جامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند سے بھی محبت کرتے۔ یہاں آتے۔ مشورے دیتے۔ اس کی ترقیات سے خوش ہوتے۔ دعاؤں سے نوازتے۔ زبانِ دیوبند حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ کشمیری دام ظلہم پر ان کی بڑی نظر عنایت رہی۔

ولکنہ بنیان قوم تهدما

حضرت ہمارے درمیان سے اٹھ گئے۔ عمرِ مبارک 92 ہوئی۔ ایسی طویل عمر اور صلاحیت و صالحیت کے ساتھ الا ماشاءاللہ ہی کسی کے نصیبے میں آتی ہے۔ وہ چلے گئے تو فضا سوگوار ہے۔ دیوبند پر موت کا سناٹا طاری ہے۔ رنج و غم. اور شدید الم ہر کسی کے چہرے سے ہویدا۔ کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ ایکو شخص نہیں، شخصیت بلکہ عالَم کی موت ہے۔ آج تو ہر رونے والی آنکھ اور ہر مغموم دل یہی کہہ رہا ہے:

وما کان قیس هلکہ هلک واحد
ولکنہ بنیان قوم تهدما

نماز جنازہ رات دس بجے ہوگی، اس کے بعد علومِ نانوتویؒ کا یہ امین اپنے آباء کے گہوارے میں سو جائے گا:

رہے نام اللہ کا

منظوم تعزیت نامہ بموقع وفات خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

از: مفتی حفیظ اللہ حفیظ قاسمی بھیونڈی

ہائے صد افسوس اک دنیا ہوئی پھر سوگوار.
گردشِ ایام نے سب کو کیا پھر اشکبار.

جس سے حاصل تھا ہمیں ہر کامرانی کا سراغ.
خاندان قاسمی کا ہاں وہ اک چشم وچراغ.
جس کی حکمت سے میسر صبح تھی ہر شام کی.
جس سے روشن تر جبیں تھی عالم اسلام کی.

اب مزار قاسمی میں بن گیا اسکا مزار.
ہائے صد افسوس اک دنیا ہوئی پھر سوگوار.

وہ متاعِ دین ودانش پیکر صدق وصفا.
جس کا تھا دنیائے علم وفن میں ہر سو غلغلہ.
جس کی تدبیر وسیاست پر تھا سب کو اعتماد.
جو تھا اربابِ نظر تک کی نظر میں اوستاد.

گلشنِ دین وشریعت پر رہی جس کی بہار.
ہائے صد افسوس اک دنیا ہوئی پھر سوگوار.

رشک کرتا تھا زمانہ جس کے اک اک بول پر.
تھا فدا سنسار جس شخصیتِ انمول پر.
وہ محدث وہ فقیہ اور وہ خطیب بے مثال.
دار فانی سے گیا ہے آج کر کے انتقال.

باندھ کر رخت سفر پہونچا سوئے دارالقرار.
ہائے صد افسوس اک دنیا ہوئی پھر سوگوار.

ناز تھا ملت کو جس کے طرز پر انداز پر.
جھوم اٹھتا تھا زمانہ جس کی اک آواز پر.
جس کے فیض عام سے معمور تھا دارالعلوم.
خوشہ چیں جس بدر کامل سے رہے ہر پل نجوم.

جس کی البیلی ادا سے دل میں گھر کرتا پیار.
ہائے صد افسوس اک دنیا ہوئی پھر سوگوار.

کشتیِ ملت کا جو ساحل نما پتوار تھا.
کاروبار ساغر وسنداں میں جو شہکار تھا.
قاسمیت جس قد و قامت میں بس پیوست تھی.
دیوبندیت جہاں خیمہ کئے سرمست تھی.

زہد و تقوی کا مجسم جو رہا اک کوہسار.
ہائے صد افسوس اک دنیا ہوئی پھر سوگوار.

جس کا ہر طرز عمل بس لائق تقلید تھا.
سارے دریوزہ گروں کی جو متاعِ عید تھا.
باعث رشک جہاں جس کی قیادت بن گئی.
نازشِ مسلم پرسنل لاء نیابت بن گئی.

جو تھا میدان سیاست کا بھی ماہر شہسوار.
ہائے صد افسوس اک دنیا ہوئی پھر سوگوار.

طرزِ تدریس بخاری جس کا بس ممتاز تھا.
اہل علم وفضل کو جس شخصیت پر ناز تھا.
آسمانوں کی بلندی جس کے آگے ہیچ تھی.
آشکارا جس پہ ہر فن کی رہِ پر پیچ تھی.

چٹکیوں میں جو مسلتا تھا مسائل بیشمار.
ہائے صد افسوس اک دنیا ہوئی پھر سوگوار.

کیا خبر تھی وہ ہمیں تنہائیاں دے جائے گا.
بحر درد و غم کی بس گہرائیاں دے جائے گا.
ہم تڑپ کر جان بھی دیدیں تو کچھ حاصل نہیں.
ہے یہ وہ دریائے غم جس کا کوئی ساحل نہیں.

ناخدا جاتا رہا ملت ہے یکسر بے قرار.
ہائے صد افسوس اک دنیا ہوئی پھر سوگوار.

بے خودی میں جو بسر کرتا تھا پیہم صبح و شام.
بے نیاز اس عالم فانی سے تھا جس کا خرام.
موڑ دیتا تھا جو رخ باطل کے ہر طوفان کا
بن کے رہتا تھا محافظ سنت و قرآن کا.

اب کہاں پائیں گے ہم اسلاف کی وہ یادگار.
ہائے صد افسوس اک دنیا ہوئی پھر سوگوار.

بدنصیبی پر ہم اپنی کب تلک ماتم کریں.
عہدو پیمانِ وفا اب آیئے باہم کریں.
تھام لیں دامن ابھی بھی سنت و قرآن کا.
ہم نے کیا سمجھا ہے یہ سب کھیل ہے میدان کا.

موت شدت سے ہمارا کر رہی ہے انتظار.
ہائے صد افسوس اک دنیا ہوئی پھر سوگوار.

مت رہو غافل مسلسل آخرت سازی کرو.
اس جہان رنگ و بو میں مت قلابازی کرو.
جو بھی پیدا ہے اسے ناپید ہونا ہے ضرور.
اس متاعِ عارضی پر کر رہے ہو کیوں غرور.

زندگی کا پھول مرجھائے گا کچھ دن ہے بہار.
ہائے صد افسوس اک دنیا ہوئی پھر سوگوار.

محو دنیا کیوں ہو جس دم صور پھونکا جائے گا.
سب کے سب مر جائیں باقی خدا رہ جائے گا.
ہر ادائے گل پہ بلبل پیکر فریاد ہے.
حسنِ شیریں سر بسر منت کش فرہاد ہے.

جام نوشی پر ہی برپا دل میں ہوتا ہے خمار.
ہائے صد افسوس اک دنیا ہوئی پھر سوگوار.

یہ جہاں فانی ہے اس میں کون رہتا ہے سدا.
آنے جانے کا یہاں پیہم لگا ہے سلسلہ.
چندروزہ زندگی جو درپئے انسان ہے.
زندگی کیا ہے محض اک موت کا عنوان ہے.

ٹوٹنا ہے ایک دن ہر جسم سے ہر جاں کا تار.
ہائے صد افسوس اک دنیا ہوئی پھر سوگوار.

یاالٰہی رحم فرما حضرت سفیان پر.
تیرا فضل خاص ہو اس نیک دل انسان پر.
اب شکیب احمد کہاں پائیں گے داداجان کو.
کون اب پورا کرے کنبہ کے ہر ارمان کو.

شیخ کامل حضرتِ سالم پہ سب تھے جاں نثار.
ہائے صد افسوس اک دنیا ہوئی پھر سوگوار.

اے خدا *سالم* کو بھیج اب اعلی علیین میں.
خوب تھی پرواز علم وفن کی اس شاہین میں.
صرف کنبہ ہی نہیں عالم ہے صدمے سے نڈھال.
اے خدا نعم البدل دے کر تو صدمے سے نکال.

اے *حفیظ* اب تو چمن اپنا ہوا بے برگ وبار.
ہائے صد افسوس اک دنیا ہوئی پھر سوگوار.

حضرت سالم! تجھ سا کہاں ملے گا۔

نقوشِ خاطر۔ شمشیر حیدر قاسمی

یوں تو ان کا جانا کوئی انہونی اور غیر متوقع بات نہیں ہے، کافی دنوں سے ضعف و نقاہت، پیرانہ سالی اور متنوع امراض و عوارض کی وجہ سے اس حادثہ فاجعہ کا خدشہ لگا ہوا تھا ،اور اس عظیم سانحہ سے ہونے والے خسارے کے تصور سے ذہن و دماغ غیر معمولی طور پر دہل رہا تھا،پھر یہ کہ موت تو ایک ایساامر یقینی ہے، جس کے سامنے کسی طرح کے حیلے و بہانے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے ۔اذا جاء اَجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون. کا فیصلہ ہر آنے والے کے لئے اس کے آنے سے پہلے ہی ہوچکا ہے، اس اٹل اور ناقابل تغیر فیصلہ کے سامنے کون ہے جو چوں چرا کر سکے ۔چونکہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی کی شخصیت بہت ہی جامع اور ہمہ گیر تھی، ان کی نسبت بڑی اونچی تھی، انھیں وقت کے آفتاب و مہتاب، میدان فکر و عمل کے شہسوار، علم و معرفت کے روشن چراغ ، ورع و تقوی کے امام اور رشد و ہدایت کے ترجمان عالیشان اشخاص و مشائخ کی صحبت ملی تھی ،جس سے ان کی شخصیت کندن بن کر چمکتی چلی گئی، حکیم الامت حضرت تھانوی کے ذریعہ ان کی تعلیم و تربیت کا آغاز ہوا تھا اور شیخ الاسلام حضرت مدنی سے اس کی تکمیل ہوئی، اللہ تبارک و تعالی نے انھیں بے شمار فضائل و کمالات سے آراستہ فرمایا تھا، مسلک دیوبند کے وہ بہت ہی باکمال ترجمان تھے، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت نانوتوی کے مبارک سینے میں ابلنے والے شریعت کے اسرار و حکم قلب سالم میں

پیوست ہوگئے ہیں اور ملت اسلامیہ کی تشنگی دور کرنے کے لئے بشکل کوثر و تسنیم اس کی ژالہ باری وقتا فوقتا ہوجایا کرتی ہے، ملت اسلامیہ کے وہ بہت ہی ملخص قائد تھے، مسلم پرسنل لا بورڈ اور مسلم مجلس مشاورت وغیرہ مختلف پلیٹ فارموں سے انھوں نے ملت اسلامیہ ہند کی بہت ہی کامیاب قیادت فرمائی، وہ نظریاتی اختلافات کے باوجود ملت واحدہ کا خواب سجائے ہوئے تھے، مسلکی و مشربی تشتت و تفرق نے ان کے قلب و جگر کو چھلنی بنا دیا تھا، انھوں نے مختلف موقعوں پر اپنے دل کے ان زخموں کا برملا اظہارِ بھی فرمایا، ابھی چند سال قبل کی بات ہے ماہرین علوم و فنون کے ایک بڑے مجمع کے سامنے وہ اپنے زخم کہنہ کو ظاہر کرتے ہوئے تکلم ریز ہوئے، کہ دعوت و تبلیغ دین کی ہوتی ہے ۔نہ کہ مسلک کی ،ملت اسلامیہ کے لئے زوال اور انحطاط کا دور اسی وقت سے شروع ہوگیا جب سے مسلک کی ترویج و اشاعت کے لئے کوششیں کی جانے لگیں، اور اب تو بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ لوگ اپنے مشرب و نظریہ کی دعوت دینے لگے ۔درحقیقت یہ صورت حال ملت اسلامیہ کے لئے بہت ہی افسوس ناک ہے ۔
ان اوصاف و کمالات اور فضائل و مناقب سے آراستہ شخصیت سے کسے محبت نہیں ہوگی، کون نہیں چاہے گا کہ ان سے فیض یاب ہواجائے،ان کی زیارت و صحبت سے فائدہ اٹھایا جائے ۔ان کی پاکیزہ زبان سے چھلکنے اور پھوٹنے والے گل و لالہ سے دامن عقیدت و محبت کو معمور کر لیا جائے،اس قدر عظیم المرتبت شخصیت کی صحبت و زیارت سے محرومی پر کون ساایسا دل ہوگا جو صدمے سے دوچار نہ ہوا ہو،

آج ہر علم دوست، ہر اسلام پسند اور قوم و ملت کے غمگسار افراد و اشخاص کے قلوب صدمات اور ہجوم غم سے موجزن ہیں، قومی و ملی جماعتیں اور تنظیمیں اپنے اس عظیم محسن اور قائد کی وفات پر سوگوار ہیں بطور خاص دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم (وقف)دیوبند اور ان دونوں سے علمی و فکری انتساب رکھنے والے حضرات نوحہ کناں ہیں، ان کی آنکھیں اشکبار اور قلوب رنجیدہ ہیں، ان کے ذہن و دماغ میں بار بار ایک ہی بات گشت کر رہی کہ اے حضرت سالم ہم کو بتا !۔ تجھ سا مخلص رہنما اب ہمیں کہاں ملے گا، اختلافات کو مٹانے اور آپسی محبت کی فضا ہموار کرنے کا کا اتنا خوبصورت اور بے مثال نمونہ ہم کہاں ڈھونڈیں گے، حضرت حکیم الاسلام کی مظلومیت کے تذکرہ کرنے والےشیدایان حکیم الاسلام سے اب کون کہے گا کہ، ہم نے بہت خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے اختلافات حل کر لئے ہیں، اللہ کے واسطے آپ حضرات بھی اپنے مقالات میں اس قضیہ نامرضیہ کا تذکرہ نہ فرمائیں،

حضرت سالم ! آپ بڑے ہی وسیع الظرف تھے، آپ نہ صرف اسٹیج کو گرمانے اور دلوں کو فتح کر لینے والے خطیب تھے بلکہ آپ کے گفتار و کردار میں بڑا حسین امتزاج تھا ،آپ عمدہ اور پاکیزہ اخلاق و صفات کے پیکر تھے، آپ اکبر الہ آبادی کے دل روشن کا مکمل مصداق تھے۔

آہ۔ آپ ہمیں چھوڑ کر چل دیئے ایسے نازک دور میں جبکہ ہمیں شدید ضرورت تھی، آپ کی، آپ کے علمی تعمق کی، آپ کے فکری صلابت کی، آپ کے عمدہ اخلاق کی،آپ کے خوبصورت اور دلنشین گفتار کی،یقینا ہم آپ کو اس حوالے سے نہیں بھلاپائیں،

آپ کی یادیں ہمیں ستاتی رہیں گیں ،ہم انھیں یادوں کے سہارے
اپنی منزلیں طے کرتے ہوئے آپ کی صحبت میں جا پہنچیں گے ۔
جہاں جمنستان قاسمیت کے خوشہ چینوں کی مجلسیں سجی ہوں گیں،
رشید و قاسم ان مجلسوں کی سرپرستی فرمارہے ہوں گے، آپ ان
مجالس کے اہم رکن ہوں گے اور حور غلماں کی ضیافت کیا ہی پر کیف
ہو گی ۔

اللہ پاک آپ پر رحم فرمائے ،کروٹ کروٹ آپ کو جنت نصیب ہو،
فردوس بریں آپ کا مستقر ہو، ہم گنہگاروں کو آپ کا لگایا ہوا چمن اور
چلایا ہوا مشن کو آگے بڑھانا اور فروغ دینا نصیب ہو ۔

آمین یارب العالمین ۔

شمشیر حیدر قاسمی ۔۱۴ /اپریل ۱۸ ء

۱۲ بجے شب ۔

آہ! خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ
شمعِ روشن بجھ گئی، بزم سخن ماتم میں ہے

از قلم: محمد زبیر ندوی

مرکز البحث والافتاء ممبئی انڈیا

رابطہ 9029189288

آج سے تقریباً ۹۴ سال قبل ۸ جنوری ۱۹۲۶ کو سرزمین دیوبند کے قاسمی گھرانے میں ایک آفتاب و ماہتاب محمد سالم بن قاری محمد طیب قاسمی کی شکل میں نمودار ہوا تھا، وہ آفتاب بڑھا، روشن ہوا، اپنی کرنیں بکھیریں، دنیا کو روشن کیا، اندھیروں کے گریبان چاک کئے اور چورانوے سال تک پوری آب و تاب کے ساتھ چمک کر آج بعد زوالِ شمس خود موت کی چادر اوڑھ کر ایسا غائب ہوگیا کہ اب اس دنیا میں اس کا دیدار ممکن نہیں۔ اور لوگ ایک دوسرے کو تک کر کہتے رہ گئے:

تم کیا گئے کہ سارا زمانہ اداس ہے

جانے والا چلا گیا، آخرت کا مسافر بیک جست اپنی منزل کو جا پہونچا، خود تو آنکھیں بند کرلیں؛ مگر ہزاروں کی آنکھیں کھول دیں، لاکھوں کی آنکھیں آنسوؤں سے تر اور سیکڑوں گھر ماتم کدے میں تبدیل ہوگیے، سرزمین دیوبند پر سوگ طاری ہو گیا، ہر چہار جانب دیکھو تو ایسی خاموشی کہ:

اللہ رے سناٹا آواز نہیں آتی

آج ان کا پورا گھرانہ، لاکھوں تلامذہ، ہزاروں اہل تعلق اور نہ جانے کتنے عقیدت مندوں کی آنکھیں اشکبار اور دل غم و اندوہ سے لالہ زار ہیں، سخت سے سخت دل کا آدمی کہنے پر مجبور ہے کہ؛

مجھے تو ناز تھا ضبطِ غمِ دردِ محبت پر
یہ آنسو آج کیوں بیتاب ہو ہو کر نکلتے ہیں

خطیب الاسلام مولانا محمد سالم صاحب قاسمی علامہ ابراہیم بلیلاویؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہویؒ، شیخ الحدیث مولانا فخر الحسن گنگوھیؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے خاص شاگرد، حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کے تربیت یافتہ، شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ کے خوشہ چیں، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ کے فیض یافتہ تھے، انہیں اکابرینِ امت اور اساطین علم دین کی نظر تھی جس نے حضرت کو مولانا سالم قاسمی سے خطیب الاسلام بنا دیا تھا، اور آپ ہندوستان ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کی نہایت اہم اور ذمہ دار شخصیت بن کر دنیا کے سامنے آئے، آپ دار العلوم وقف دیوبند کے سربراہ و سرپرست، مسلم پرسنل لا بورڈ کے نائب صدر، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے رکن شوریٰ، اور متعدد دینی، علمی، فکری و قومی اداروں اور تنظیموں کے مدتوں سے سربراہ و مشیر تھے،

آپ علمی کمال، شان خطابت، تصنیفی ذوق و شوق، خدا ترسی و نیک خوئی، بلند حوصلگی، جاں پرسوزی و سخن دلنوازی،

شان قلندری و نگاہ سکندری کی اعلیٰ مثال تھے، آپ دیوبندی فکر و نظر، قاسمی علم و معرفت، اور امدادی و نانوتوی مسلک و مشرب کے سچے ترجمان تھے، اخلاق کریمانہ، اوصاف مومنانہ، گفتار دلبرانہ اور شان قلندرانہ کی جیتی جاگتی تصویر اگر کسی کو دیکھنے کی چاہت ہوتی تو ان میں بجا طور پر دیکھ سکتا تھا، آپ نے پوری زندگی علم کی آبیاری، قوم کی فکر اور عبادت الٰہی میں گزاری، اگر مختصر لفظوں میں آپ کی زندگی بیان کی جائے تو بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ:

پھونک کر اپنے آشیانے کو
روشنی بخش دی زمانے کو

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دیدار کی سعادت راقم الحروف کو پہلی بار جامعہ علوم القرآن جمبوسر گجرات میں منعقد فقہ اکیڈمی انڈیا کے اجلاس میں ہوئی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس اجلاس کی افتتاحی نشست کی صدارت فرما رہے تھے، یہ پہلا موقع تھا جب پہلی بار اور بہت قریب سے دیکھنے اور خود انہیں سننے کا زریں موقع ملا تھا، اس سے قبل صرف نام سنا تھا مگر "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" آپ نے اپنے صدارتی خطاب میں مصالح شریعت پر جو علمی اور معلومات افزا گفتگو کی تھی آج تک اس کے اثرات قلب و دماغ کے گوشے میں موجود ہیں اور راقم اس بیان سے جس قدر متاثر ہوا تھا ضبط تحریر سے باہر ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت بلکہ دوسری ملاقات آج سے ٹھیک دو سال قبل سرزمین دیوبند میں حضرت کے کاشانے پر ہوئی تھی، عصر بعد احقر اپنے احباب کے ہمراہ آپ کے مکان پر بغرض زیارت حاضر ہوا، سلام مصافحہ کے بعد بیٹھنے کا اشارہ کیا، اس وقت انہیں دیکھ کر جس قدر تعجب ہوا اور خود کو جتنی غیرت آئی

وہ حد تحریر سے باہر ہے، تعجب کی انتہا تھی کہ نوے سال سے متجاوز نہایت ضعیف و ناتواں شخص قبلہ رُو ایک چارپائی پر بیٹھا ہے اور ایک کتاب کے مطالعے میں مصروف ہے، اس عمر میں علم و مطالعہ کا یہ ذوق و شوق مجھ حقیر کے لئے تازیانہء عبرت سے کم نہیں تھا، خود پر اتنی غیرت آئی کہ اتنا ضعیف و نحیف شخص علم و کمال کی ہزاروں منزلیں طے کرنے کے بعد بھی علم کا پیاسا ہو کر مطالعہ میں مصروف ہے اور میں جواں سال ہوکر دن و رات میٹھی نیند سوؤں افسوس صد افسوس۔

لیکن اب آج کا دن ہے کہ خدا کا یہ بندہ حیات مستعار کی چورانوے بہاریں دیکھ کر، نہا دھو کر، نیا کپڑا زیب تن کر کے، جسم کو خوشبو میں بسا کر اب اپنے رب کے حضور پہونچ چکا ہے، ہزاروں فرشتے انتظار میں کھڑے ہوئے ہیں اور حوران خلد بریں چشم براہ ہیں کہ ایک مومن کامل آج نفس مطمئنہ کے ساتھ اپنے دنیاوی سفر سے لوٹ کر ہمیشہ ہمیش کے مکان میں آچکا ہے اور کیوں ایسا نہ ہو کہ یہی تو آداب زندگی ہے اور یہی مسافر کا صحیح اکرام ہے کہ:

تھکے ہارے پرندے جب بسیرا کے لئے لوٹیں
سلیقہ مند شاخوں کا لچک جانا ضروری ہے

خدا اپنے اس بندے کی نیکیوں کو قبول فرمائے، سیئات سے در گزر کرے اور خلد بریں کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام میں جگہ عطا فرمائے آمین۔ نیز پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے کہ:

ادا کیونکر کریں گے چند آنسو غم کا افسانا
بہت دشوار ہے جتنا سمجھنا اتنا سمجھانا

بروفات حسرت آیات

حضرت اقدس مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نانوتوی رحمہ اللہ

نانوتوی علوم کے عالم چلے گئے
دار العلوم چھوڑ کے سالم چلے گئے

دار العلوم ! اب تری خدمت کرے گا کون
ہر شخص کہہ رہا ہے کہ خادم چلے گئے

اخلاص تھا ، اخلاق تھے ،احسان جس سے تھا
ہر جذبہ جس سے تھا وہی قائم چلے گئے

بعد وصال ، چہرۂ انوار کا منظر
ایسے لگے کہ آپ ہیں نائم ، چلے گئے

اشرف علی سے ، قاری طیب سے جا ملے
نانوتوی علوم کے قاسم چلے گئے

انصاری ، بات اتنی تسلی کی سن لے اب
دنیاے دوں سے جنت دائم چلے گئے

شریک غم :ریاض احمد انصاری رشادی

۲۹رجب ۱۴۳۹ھ م ۱۴ اپریل ۲۰۱۸ء

ایک اور چراغ بجھ گیا!!

از قلم:- مفتی اجود اللہ صاحب پھولپوری

نائب ناظم:- بیت العلوم سرائمیر اعظم گڑھ

بظاھر یہ زمین و آسمان اپنی جگہ مستحکم و مظبوط دکھائی دیتے ہیں....... لیکن سائنسی علوم سے مزین افراد اسے رواں دواں بتاتے ھیں....... روز بروز بڑھتی ھوئی آبادی کے باوجود کام کے افراد ملنے مشکل سے مشکل تر ھوتے جارھے ھیں.........
گذشتہ تمام سجاوٹوں کو یہ پر فریب سنسار ماند کرتا جارھا ھے....... ھر سرسبزی و شادابی کے پیچھے ایک اجاڑ پن کی داستان پوشیدہ ھے....... خدائی نظام کے تحت ھر بہار اپنے پیچھے ایک خزاں رکھتی ھے تاکہ انسان دھوکہ نہ کھائے اور وقتی چمک دمک سے چوکنا رھے....... پھر بھی انسان اس ناپائیدار دنیا میں پائیدار دوکان و مکان بنانے کا متمنی رھتا ھے.......!!
جبکہ "اَینَمَا تَکُونُو یُدرِکّمُ المَوت ولو کُنتُم فی بُروجِ مُشَّیدہ" کا اعلان دیوان و محلات کو چیرتا ھوا اس بات کی طرف بلاتا ھے کہ....... انسان ھمہ وقت اپنے کو تیار رکھے....... روز اپنے کسی عزیز کا غم منانے والا انسان اپنے مالک کے فرمان سے غافل ھوکر زندگی گزارتا ھے .... بالآخر سرمایۂ حیات کو ضائع کرنے کے بعد حسرت و یاس کا سراپا مجسم بن کر کف افسوس ملتا ھے.........
انہیں غافل انسانوں میں کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی ھوتے ھیں...... جو اپنے جان و مال کو خوب وصول کرلیتے ھیں

اور اپنی زندگی کے ھر لمحۂ حیات کو مالک ارض و سماء پر نچھاور کرکے انکی خوشیاں اپنے دامن میں سمیٹ لیتے ھے........ پھر ایک جہان انکی جدائی کے غم میں ھلکان ھوتا ھے...!

کوئی بھل گیا مقصد ------- آون دا
کوئی کر کے مقصد ----- حل چلیا

ایتھے ہر کوئی "فرید" مسافر اے
کوئی اج چلیا --------کوئی کل چلیا

اسی سلسلہ کے ایک مرد مجاھد، نامور عالم دین ، فکر قاسم و طیب کے امین ، سلسلۂ امدادیہ کے چمکتے دمکتے درخشاں چراغ ، حکیم الامت حضرت والا تھانوی کے آخری دعایافتہ و شاگرد رشید ، حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائیپوری کی نسبتوں کے امین و مرید خاص .... حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کے روحانی و جسمانی جانشین ، دارالعلوم (وقف) کے صدر و شیخ الحدیث ، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء کے نائب صدر ، ھزاروں مکاتب و مدارس کے سرپرست ، لاکھوں تلامذہ کے ھردلعزیز و محبوب استاد ، حضرت مولانا محمد سالم صاحب نوراللہ مرقدہ بھی تھے....!
جنکا سلسۂ نسب.... خلیفۂ اول..... سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ سے ملتا ھے ...... آپ خاندان قاسمی کی بہت سی خوبیوں کو اپنے اندر سمیٹے ھوئے تھے

16 اپریل بروز شنبہ آپنے داعیٔ اجل کو لبیک کہتے ھوئے ھزاروں سوگواروں کو غمزدہ و سوگوار چھوڑ کر ابدالآباد اور راحت و آرام سے بھرپور آخرت کی منزل کیطرف رواں دواں ھوگئے "انا للہ وانا الیہ راجعون "

آپکی رحلت ایک ذات نہیں پورے ایک عھد کا خاتمہ ھے......!!

بچھڑا وہ اس اداء سے کہ رت ھی بدل گئی...!!
ایک شخص سارے شہر کو ویران کرگیا...!!

اللہ تعالی حضرت والا کی بال بال مغفرت فرمائیں اور کروٹ کروٹ جنت کی نعمتوں سے نوازتے ھوئے اعلی علیین میں مقام خاص نصیب فرمائیں نیز پسماندگان خصوصا حضرت مولانا سفیان صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم کو صبر جمیل وفیر عطاء فرمائیں اور امت کو مولانا مرحوم و مغفور کا نعم البدل عطاء فرمائیں.....!!

ھزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ھے...!!
بڑی مشکل سے ھوتا ھے چمن میں دیدہ ور پیدا...!!

آفتاب علم وعمل۔
جامع کمالات شخصیت مولانا سالم قاسمی۔۔

شرف الدین عظیم قاسمی الاعظمی

جو ذکر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن۔
جو فکر کی سرعت میں بجلی سے زیادہ تیز۔۔

فطرت نے یوں تو ہر انسان کو یکساں انداز سے پیدا کیا ہے،ہر ایک کو یکساں صفات عطا کی ہیں۔ہر بچہ ایک بچہ ہی ہوتا ہے'اور مرنے والا ایک میت۔
مگر قدرت کچھ بچوں کو ابتدا ہی میں کچھ امتیازی خصوصیات اور منفرد اوصاف وکمالات سے نواز دیتی ہے۔جس کی وجہ سے سفر کے ہر مرحلے میں۔ہر پڑاؤ پر،ہر گام پر،اس کی عظمتوں کے نشانات ثبت ہوتے چلے جاتے ہیں۔

یہ لوگ پروانہ صفت ہوتے ہیں۔بچپن ہی سے روشنی کی جستجو ان کا شوق اور بلندیاں ان کا ہدف ہوتی ہیں۔یہ ہمہ وقت اپنے وجود میں ایک نئی امنگ۔ایک نیا حوصلہ۔دریائے رواں کی طرح عزم جواں محسوس کرتے ہیں۔ان کی زندگی ایک پارے کی مانند ہوتی ہے جسے کسی لمحہ قرار نہیں رہتا ہے'۔

آگ روشن ہو کر رہتی ہے'، دریا آخر روانہ ہو کر رہتا ہے'۔۔۔
ملت اسلامیہ ہند کے عظیم پاسباں۔سرمایہ ملت کے بے نظیر نگہبان۔۔
خانوادہ قاسمی کے گل سر سبد۔۔۔علوم قاسمی کے وارث و امین۔
حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی کی ہمہ جہت شخصیت انہیں انسانوں میں سے ہے'جن کی حیات مستعار۔ عظمتوں،بلندیوں،اور رفعتوں کے جلو میں اپنا سفر جاری رکھتی ہے۔اور اپنے پیچھے کارناموں کی ایک دنیا آباد کرتی چلی جاتی ہے۔کامیابیاں جن کی رفیق اور منزلیں جن کا مقدر ہوتی ہیں۔

شخصیت کے تشکیلی عناصر

اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ شخصیت کی تعمیر وترقی اس کو بنانے سنوارنے اور نکھارنے میں ماحول خاندان معاشرے،اور صحبتوں کا بہت بڑا دخل ہے۔والدین کی آہ سحر گاہی۔اساتذہ کی بلند کرداری۔
معاشی صورت حال۔وہ پلیٹ فارم جس پر زندگی متحرک رہی۔ماحول کی سازگار فضا یا اس کی کج ادائی، مصائب وآلام کے وہ طوفان جنہوں نے عزم و حوصلے کی سوغات بخشی۔
معاشرے کی مسلکی رواداری۔اور طبقاتی کشمکش وگروہی اختلافات کی ہوائیں۔۔
یہ تمام عناصر مل کر شخصیت کو تراشتے ہیں اور سنوارتے ہیں
قدرت نے آپ کو عظمت وعبقریت کے جتنے اسباب ہوسکتے تھے تقریباً سبھی جمع کردئے تھے۔

آپ نے جہاں نسبی عظمت فکری بلندی۔سیرت وکردار کی پاکیزگی وراثت میں پائی تھی وہیں علومِ اسلامی اور ایمانی صلابت۔بیدار مغزی واولواالعزمی بھی آپ گھر آپ کے خاندان کا قیمتی سرمایہ تھی۔کون نہیں جانتا کہ برصغیر میں اسلامی علوم کی نہریں آپ کے جدِ امجد امام قاسم نانوتوی کی شبانہ روز کی جد وجہد کے نتیجے میں وجود میں آئی ہیں'۔

جس خاندان سے یعقوب نانوتوی، مملوک علی اور قاری طیب صاحب جیسے جبال العلم پیدا ہوئے ھوں۔جس خانوادے کے علوم گھٹائیں پورے عالم پر پونے دو صدیوں سے چھاتی رہیں۔اور ملکوں اور خطوں کو سیراب کرتی رہیں۔اس کی علمی وادبی اور دینی فضا میں پروان چڑھنے والا وجود اپنی ذات میں اوصاف وکمالات کے کس قدر سمندر سمیٹے ہوئے ہوگا۔اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔۔۔۔

جاری ہے'۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

شرف الدین عظیم قاسمی الاعظمی

مولانا محمد نوشاد نوری قاسمی
استاد دارالعلوم (وقف) دیوبند

14/اپریل 2018ء، دوپہر کے وقت ایک ایسی گھڑی آئی جو پورے اسلامیان ہند کو سوگوار کرگئی، وہ ایک دو لمحہ کا غم نہیں تھا، بلکہ صدیوں کا غم تھا، ایسا غم جسے غلط نہیں کیا جاسکتا، ایسا زخم جسے مندمل نہیں کیا جاسکتا،وہ غم تھاخطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی رحلت کا، آہ یہ کم ہی لوگ جانتے ہیں کہ ہفتہ واتوار کی درمیانی شب میں لوگوں نے ایک عالم دین ہی کو دفن نہیں کیا؛ بلکہ ایک انجمن، ایک تحریک، ایک کارواں اورایک ایسے چراغ شب تاب کو دفن کیا ہے، جس سے ایک دنیا روشن تھی۔ جس کی روشنی، علم، اخلاص، تقوی، طہارت، اوراعتدال کا آمیختہ تھی۔

حضرت اقدس مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ (ولادت: ۸/جنوری/ ۱۹۲۶ء- وفات: ۱۴/اپریل ۲۰۱۸ء)کی زندگی، علم وعمل، مسلسل جدوجہد، آہنی عزم، ہمالیائی حوصلہ اور ہمہ وقتی تگ وتاز سے عبارت تھی، اس لیے ممکن ہی نہیں کہ اسے چند سطروں میں سمیٹ دیا جائے، اللہ نے توفیق دی تو کسی موقع پر تفصیلی مضمون یا رسالہ ترتیب دیا جائے گا، سردست حضرت کی کچھ ان خصوصیات کا تذکرہ مقصود ہے، جو انہیں اپنے ہم عصروں سے ممتاز کرتی ہیں۔

اخلاص اور توکل علی اللہ:

حضرتؒ کا یہ وصف بہت نمایاں تھا، توکل علی اللہ ان کی زندگی کا ایساوصف تھا، جسے ہراس شخص نے محسوس کیا جسے تھوڑی دیر بھی، ان کے پاس بیٹھنا نصیب ہوا ہو، یہ ان کے اخلاص ہی کی بات تھی، کہ ہندوستان کے دور دراز کے وہ علاقے،

جو ہر طرح کی سہولیات سے محروم تھے، وہاں کا بھی پروگرام خندہ پیشانی سے قبول کرتے، اور سفر کی تمام تر مشقتوں کو برداشت کرکے، پروگرام میں شرکت کرتے، اور صحیح اسلامی فکر کی اشاعت کا فریضہ انجام دیتے، توکل علی اللہ کی اس سے بڑی دلیل کیا ہوگی کہ قضیہ دار العلوم کے موقع پر، جب ہر طرح کی بے سروسامانی تھی، مخالفتوں کا ایک طوفان تھا، حالات بالکل سازگار نہیں تھے؛انھوں نے اپنے چند رفقاء کی معیت میں، توکل علی اللہ کی قوت پریقین کامل کے ساتھ، دارالعلوم دیوبند کی روح اور خصوصیات کی حفاظت کی غرض سے، دار العلوم وقف دیوبند کی داغ بیل ڈالی، اور اس خواب کو ایک حقیقت میں تبدیل کردیا، یہ بجائے خود ایک کارنامہ نہیں؛ بلکہ ایک معجزہ معلوم ہوتا ہے، جو ان کے اخلاص اور توکل کی برکت سے وجو د میں آیا ہے۔

("وقت کی پابندی")

ان کی زندگی کی اہم ترین خصوصیت وقت کی پابندی ہے، ان کی وقت کی پابندی ضرب المثل تھی، وہ جس چیز کا جو وقت مقرر کرتے، اس کی پوری پابندی کرتے، ان کے شاگردوں کا بیان ہے کہ گھنٹہ لگتے ہی وہ درسگاہ میں حاضر رہتے، طلبہ چاہتے تھے کہ حضرت کو بلانے آستان قاسمی پہونچیں ؛ لیکن وہ ان کے حاضر ہونے سے قبل ہی درسگاہ پہونچ جاتے ۔

("صبر و تحمل")

حضرت بے پناہ صبر و تحمل رکھتے تھے، ان کی بردباری مشہور تھی،

ظاہر ہے ان جیسے بڑے لوگوں کا سابقہ ہر قسم کے لوگوں سے پڑتا تھا، اور لوگوں کے درمیان فکر ومزاج کا اختلاف فطری ہے، لیکن کبھی ایسا محسوس نہیں کیا گیا کہ انہوں نے کسی کو مجلس میں جھڑک دیا ہو یا سخت لب ولہجہ میں بات کی ہو۔

تعزیتی نشست میں حضرت الاستاذ مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم صدر جمعیۃ علماء ہند نے حضرت کی بہت اہم خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ”ہمارے درمیان ایک دور اختلاف کا رہا، پھر وقت آیا کہ وہ اختلاف ختم کیا گیا، لیکن اس پوری مدت میں انہوں نے اختلاف کو اپنی تحریر وتقریر کا موضوع نہیں بنایا“، ظاہر ہے یہ ان کے صبر وضبط کی انتہاء تھی۔

(”اسلامی فکر وفلسفہ کی تشریح“)

علوم وفنون میں ان پر قاسمی رنگ غالب تھا، گہرے معانی، عمیق مضامین، اسلامی افکار ونظریات کی عقلی بنیادوں پر تشریح، گتھے اور الجھے مسائل کو آسان انداز میں حل کردینا ان کا عظیم وصف تھا، وہ بلاشبہ ایک اسلامی فلسفی اور مفکر تھے،ان کی زندگی کا یہ پہلو اتنا پھیلاؤ رکھتا ہے کہ سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے۔

(”عظیم خطیب“)

وہ آخری دور میں تقریر وخطابت کی آبرو تھے، اس میدان میں ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ بجا طور پر انہیں ”خطیب الاسلام“ کا لقب دیا گیا، وہ اس معاملہ میں اپنے والد محترم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے حقیقی جانشین تھے،

وہ ایک موضوع پر گھنٹوں بولتے چلے جاتے، ایسا معلوم ہوتا کہ معلومات کا ایک دریا ہے جو موجزن ہے، ایک آبشار ہے جس میں ٹھہراؤ نہیں ہے، ان کی تقریر سے خواص وعوام سب یکساں مستفید ہوتے، اور وہ اپنی بات بڑی صفائی اور جرأت کے ساتھ رکھتے۔

("اعتدال فکر و نظر")

اعتدال فکر و نظر کے باب میں، معاصر علماء کے درمیان شاید وہ آخری انسان تھے، جنہیں اس باب میں مرجعیت کا مقام حاصل تھا، ان کی اس صفت کو سارے لوگ تسلیم کرتے تھے، ان کی تحریر وتقریر سے واقفیت رکھنے والے حضرات کو اس کا بخوبی ادراک ہوگا، انہوں نے تعصب اور گروہ بندی سے اپنا دامن تاحیات محفوظ رکھا، وہ دوسروں کی خوبیوں کا اظہار برملا کرتے، اور اختلاف رائے کو بڑی فراخ دلی سے قبول کرتے، اس لیے وہ ادارے اور تنظیمیں جن میں مختلف مسلک ومشرب سے تعلق رکھنے والے افراد تھے، حضرت ان کی زینت ہوا کرتے تھے، وہ جس اجلاس یا کانفرنس میں شریک ہوتے، ان کی حیثیت اس میں پیر مغاں اور سالار کارواں کی ہوتی۔ ان کے اعتدال فکر و نظر کی دسیوں مثالیں دی جاسکتی ہیں، ایک بڑی واضح مثال یہ ہے کہ وہ بڑی تاکید سے فرمایا کرتے تھے، کہ "تبلیغ دین کی ہوسکتی ہے، مسلک کی نہیں"، مسلکی تعصب اور باہمی تکفیر وتفسیق کے ماحول میں اس جملہ کی اہمیت کا اندازہ لگانا اہل علم ودانش کے لیے شاید مشکل نہ ہوگا۔

("تحریک دیوبند کی عظیم نمائندگی")

بھلا اس بات سے کسے انکار ہوگا کہ وہ تحریک دیوبند کے

عظیم الشان نمائندہ تھے، ان کی تربیت جن اکابرین کے ہاتھوں ہوئی، وہ سب اپنے آپ میں عبقری شخصیت کے مالک تھے، وہ حضرت تھانویؒ کے آخری شاگرد تھے، حضرت حکیم الامت نے انہیں بچپن میں، میزان الصرف پڑھائی، اور بے پناہ شفقتوں سے نوازا، وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے بہت ہی مقرب اور معتمد تلامذہ میں تھے،ان کے والد محترم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ایک عظیم انسان اور مفکر اسلام تھے، ان کی تربیت خالص دینی ماحول میں ہوئی، وہ انقلابی ماحول میں پروان چڑھے،انہوں نے ایک ایسے گھر میں آنکھیں کھولی تھیں، جہاں سے اسلامی تہذیب وثقافت کی بازیابی اور حفاظت دین کا دور رس منصوبہ تیار کیا گیا تھا، جس گھر کے بام ودر سے لگاتار صدائے حریت بلند کی جاچکی تھی،وہ اس بام ودر اور اس کے عظیم ورثہ کے سب سے بڑے امین تھے، وہ فکر دیوبند کی معنویت، اس کی امتیازات وخصوصیات کے سب سے بڑے شارح اور ترجمان تھے، لیکن اس نمائندگی نے انہیں نہ تنگ نظر بنایا اور نہ تعصب پسند؛ بلکہ وہ اپنے اکابرین کی طرح وسیع الظرف اور بلند نگاہ انسان تھے۔

("اوصاف وکمالات")

بلاشبہ وہ ایک عظیم انسان تھے، عظیم مفکر، عظیم فلسفی، عظیم داعی، عظیم خطیب، ان کی عظمت نسبی بھی تھی، اور ذاتی بھی، وہ عظیم اخلاق کے مالک تھے، ان کو قریب سے دیکھنے والے قسم کھاکر یہ گواہی دیتے ہیں کہ نہ وہ کبھی غیبت سنتے اور نہ ہی کرتے، کبھی کوئی تذکرہ چھڑ جاتا تو بھی خوش اسلوبی سے موضوع بدل دیتے،

کریمانہ اخلاق، مؤمنانہ اوصاف، دلبرانہ گفتار، اور قلندرانہ شان کا ایک حسین مرقع اور وارثین انبیاء کا ایک مثالی کردار حضرتؒ کی وفات کے ساتھ ہی، دنیا سے اوجھل ہوگیا۔

ہائے اس موقع پر کس کی تعزیت کی جائے، اور کس سے تعزیت لی جائے، الفاظ و تعبیرات کی کثرت کے باوجود ایسے الفاظ نہیں ملتے جو جذبات کی صحیح ترجمانی کر سکیں، شورش کاشمیری کے ایک مرثیہ سے درج ذیل اشعار مستعار لیکر اس بے ہنگم مضمون کا اختتام کرتا ہوں :

عجب قیامت کا حادثہ ہے کہ اشک ہیں، آستیں نہیں ہے
زمین کی رونق چلی گئی ہے، افق پہ مہرِ مبیں نہیں ہے

تری جدائی میں مرنے والے! وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے
مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

کئی دماغوں کا ایک انساں میں سوچتا ہوں کہاں گیا ہے
قلم کی عظمت اجڑ گئی ہے، زباں سے زور بیاں گیا ہے

اتر گئے منزلوں کے چہرے، امید کیا ؟کارواں گیا ہے
مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقین نہیں ہے

یہ کون اٹھا کہ دیر وکعبہ شکستہ دل،خستہ گام پہنچے
جھکا کے اپنے دلوں کے پرچم، خواص پہنچے عوام پہنچے

تری لحد پر خدا کی رحمت، تری لحد کو سلام پہنچے
مگر تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقین نہیں ہے

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ کی رحلت: دنیائے اسلام کا عظیم خسارہ

(از: ڈاکٹر مفتی عرفان عالم قاسمی)
(ایڈیٹر ہفت روزہ آب حیات بھوپال ایم پی)

خاندان قاسمی کے روح رواں، علوم نانوتوی کے پاسباں، حکمت کے بے تاج بادشاہ، معمار امت، علماء کے قائد اور اپنے عالی نسبت و وضعداری اور شفقتوں کے مخلص امین تلمیذ حکیم الامت استاذی الشفیق حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی بروز ہفتہ بتاریخ ۱۴/ اپریل بوقت دوپہر ۲.۴۵ اپنے رب حقیقی سے جاملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُوْن۔ علم و ادب ، فضل و کمال کا یہ آفتاب و ماہتاب کیا غروب ہوا سرزمین علم و ادب دیوبند میں ہی نہیں بلکہ پورے ملک کے ساتھ ساتھ عالم اسلام میں تاریکی سی چھاگئی۔ کسی شاعر نے یہ شعر شاید اس موقع کے لئے ہی کہا تھا:

ستارے ٹوٹتے رہتے ہیں شب و روز انجم
غضب تو اب ہوا ہے جو آفتاب ٹوٹا ہے

حضرت مولانا محمد اسلم صاحب کے وصال کے بعد سے ہی مجھے ایک دھڑکا سا لگا رہتا تھا۔ کیوں کہ حضرت کی طبیعت اس سے پہلے سے ہی علیل چل رہی تھی اس لئے حضرت کے احوال و کوائف میں کبھی بھائی ندیم جو حضرت کے عزیز ہیں اور بھوپال میں رہتے ہیں ان سے تو کبھی مولوی خورشید سے جو دارالعلوم دیوبند وقف کے سفیر ہیں،

معلوم کرتا رہتا تھا۔ ادھر ایک ہفتے سے حضرت کی بہت زیادہ یاد آرہی تھی کہ اچانک ایک دن سوشل میڈیا کے ذریعہ معلوم ہوا کہ حضرت کی زیادہ طبیعت علیل ہونے کی وجہ سے آپ کے صاحبزادے حافظ محمد عاصم صاحب نے آپ کو دیوبند کے نجی نرسنگ ہوم میں داخل کرایا ہے۔ اس خبر کے ملتے ہی میری دھڑکن تیز ہوگئی تھی۔ میں نے اس کے بعد سے ہی یہ عزم مصمم کر لیا تھا کہ حضرت مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی (میرٹھ) کے جلسے کی جو دعوت ملی ہے، اس میں شرکت کے بعد سیدھا حضرت کی زیارت و عیادت کے لئے دیوبند حاضری دوں گا لیکن اچانک سوشل میڈیا کے ذریعہ معلوم ہوا کہ قفس عنصری سے آپ کی روح پرواز کر گئی ہے۔

يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

پھر کیا تھا بے ساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

مجھے تو ناز تھا ضبط غم درد محبت پر
یہ آنسو آج کیوں بیتاب ہو ہو کر نکلتے ہیں
ادا کیوں کر کریں گے چند آنسو غم کا افسانا
بہت دشوار ہے جتنا سمجھنا اتنا سمجھانا

حضرت مولانا محمد سالم صاحب کی ولادت با سعادت آج سے تقریباً ۹۴ سال قبل بروز جمعہ بتاریخ ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۴ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۲۶ء سرزمین دیوبند میں ہوئی۔ اس علمی خاندان کا شجرۂ نسب حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق سے ملتا ہے، گویا یہ خاندان کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَ فَرْعُھَا فِی السَّمَاءِ کی

بہترین مثال ہے۔ نوی صدی ہجری میں سکندر لودھی کے بلاوے پر اس خاندان کے ایک بزرگ شخصیت قاضی مظہر الدین سب سے پہلے ہندوستان تشریف لائے تھے، ایک وقت وہ آیا جب نانوتہ کے علاقہ میں جاٹوں نے ادھم مچانا شروع کیا تو سکندر لودھی نے جاٹوں کی گوشمالی کے لئے قاضی مظہر الدین کے فرزند قاضی میراں کو ایک لشکر دے کر نانوتہ بھیجا۔ چنانچہ قاضی میراں کی سرکردگی میں لشکر کامیابی سے ہمکنار ہوئی جس سے خوش ہوکر سکندر لودھی یہ علاقہ اس خاندان کے نام کر دیا، اس کے بعد اس خاندان نے نانوتہ میں بود و باش اختیار کر لی، جب دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کے اہل خانہ دیوبند میں منتقل ہوگئے اور دیوبند کے ہی ہوکر رہ گئے۔ آج دارالعلوم دیوبند کو جو آفاقیت و امتیاز ساری دنیا میں حاصل ہے، اس میں خانوادۂ قاسمی کی بے مثال قربانیاں کار فرما ہیں۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُعْطِیْ مَنْ یَّشَآءُ۔

خطیب اسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب ۱۳۵۱ ہجری میں تحصیل علم کا آغاز فرمایا۔ جناب پیر جی شریف صاحب گنگوہیؒ نے ناظرہ و حفظ قرآن کریم مکمل کرایا۔ فارسی کا چار سالہ نصاب آپ نے عاقل صاحبؒ، مولانا ظہیر صاحبؒ، مولانا سید حسن صاحبؒ سے مکمل کیا۔ آپ نے اپنے والد ماجد کی ہدایت کے مطابق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ سے براہ راست ایک اہم کتاب میزان الصرف پڑھی، یہ عظیم سعادت اس وقت پوری دنیا میں آپ کو ہی حاصل تھی، آپ کے علاوہ حکیم الامت سے باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے والوں میں اب کوئی موجود نہیں ہے، آپ اس وقت حضرت تھانویؒ کے براہ راست آخری شاگرد تھے۔

آپ کو علم حدیث عرب و عجم کے نامور محدثین سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے جن نامور محدثین سے علم حدیث حاصل کیا ہے، ان میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیلاویؒ اور حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحبؒ جیسے منتخب علماء حدیث ہیں۔ دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۴۸ء میں فراغت کے بعد پچھلے ۷۰ سالوں سے درس و تدریس کے میدان میں سرگرم عمل رہے۔ ذاتی صالحیت و صلاحیت اور علمی پختگی کی بنا پر تعلیمی مراحل سے فراغت کے فوراً بعد ہی دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس مقرر ہوگئے تھے۔ شروع میں نور الایضاح اور ترجمہ قرآن کریم کا درس آپ سے متعلق رہا پھر بعد میں بخاری شریف، ابوداؤد شریف، مشکوٰۃ شریف، شرح عقائد وغیرہ کتابیں آپ سے متعلق رہیں۔ آپ کے علم میں گہرائی، فکر میں گیرائی، مطالعہ میں بے حد وسعت تھی، زبان نہایت صاف شستہ، یکساں انداز، بار بار ''ظاہر ہے'' اور ''غیر معمولی'' کا تکرار کلام جو سننے والے کو نہایت بھلا لگتا تھا۔ خاص طور پر اپنے مخصوص انداز میں علوم و معارف اور حکمت قاسمیہ کی ترسیل اب بھی کانوں میں رس گھول رہی ہے۔ حضرت وقت کے بہت پابند تھے۔ یہاں تک کہ طلباء جب آپ درسگاہ میں داخل ہوتے تو آپ کی آمد پر اپنی گھڑیوں کے ٹائم سیٹ کرتے تھے۔

حضرت کے بارے میں طلباء کو اتنا اعتماد اور یقین تھا کہ اگر کبھی شاذ و نادر گھنٹہ بجنے کے بعد پانچ منٹ تک درسگاہ میں تشریف نہیں لاتے تو یہ یقین کر لیا جاتا کہ یا تو حضرت اچانک کسی سفر میں تشریف لے گئے ہیں یا خدانخواستہ بیمار ہوگئے ہیں

اور صرف پانچ منٹ کا انتظار کرنے کے بعد طلباء از خود چھٹی کر لیتے، یہ صرف درس میں ہی نہیں تھا بلکہ وقت کی پابندی آپ کے یومیہ معمولات میں شامل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر افہام و تفہیم اور تقریر و خطابت کی بے پناہ صلاحیت ودیعت کر رکھی تھی، اس لئے آپ خطیب الاسلام سے مشہور ہوئے۔ دراصل حضرت مولانا اپنے والد ماجد حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کے وارث و امین اور سچے جانشین تھے۔ حضرت مولانا اس وقت دیوبندی مکتب فکر کے سب سے بڑے ترجمان تھے، اس دور کے بیشتر علماء فقہاء اور مفتیان کرام آپ کے تلامذہ ہیں۔ آپ کے انتقال سے ہندوستانی مسلمانوں نے ایک عالم ربانی، عظیم قائد اور ملت کا ترجمان کھو دیا ہے، ایسے عالمی شہرت کے حامل جید عالم دین، بے مثال خطیب و متکلم کی وفات سے ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے لاکھوں وابستگان دیوبند اور عام مسلمانوں کا عظیم خسارہ ہوا ہے اور ایسے جلیل القدر اور مخلص ترین رہبر کا داغ مفارقت دے جانا یقیناً ہمارے اجتماعی نقصان کا سبب ہے۔ آپ کی وفات سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے اس کا پر ہونا نہایت مشکل معلوم ہو رہا ہے۔

حضرت مولانا غیر معمولی اسفار اور حد درجہ مشغولیات کے باوجود تصنیف و تالیف کے لئے وقت نکال لیتے تھے۔ اسی وجہ سے بے شمار عنوانات پر ان کے گراں قدر مقالے اور کتابیں موجود ہیں۔ مطبوعہ کتب میں "مبادی التربیۃ الاسلامیہ" (عربی) تاجدار ارض حرم کا پیغام "مرد غازی" اور ایک عظیم تاریخی خدمت وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ حالانکہ مولانا نے باضابطہ طور پر تصنیف و تالیف کا میدان اختیار نہیں فرمایا لیکن مولانا نے کتابوں کے لئے جو تمہیدی مقدمات

اور بے شمار تقریظات لکھیں ہیں اسی طرح ان کے تبحر علمی سے مستفید ہوکر ارباب علم و فضل نے مختلف موضوعات پر جو اہم کتابیں تصنیف کی ہیں وہ علمی دنیا کا بیش قیمت سرمایا ہیں۔ اعتدال و توازن، توسع و کشادہ نظری، زہد و ورع و پاکبازی اور نیک نیتی ان کی سیرت کے روشن پہلو ہیں، آپ سنت نبوی کے غایت درجہ متبع تھے، تواضع و نرم خوئی، خوش گفتاری، سنجیدگی، خوش خلقی، ملنساری، منکسرالمزاجی اور متانت تو انہیں خاندانی ورثے میں ملا تھا۔ مولانا کو اللہ نے خوش اخلاقی کے ساتھ ساتھ ایسا مسکراتا چہرہ عطا فرمایا تھا جس کو دیکھ کر ہی بہت سے غم غلط ہو جاتے تھے۔ مولانا اپنے بلند اخلاق اور اعلیٰ ظرفی کی وجہ سے مقبول خاص و عام تھے۔ آپ اپنی باطنی خوبیوں کے ساتھ دلنواز طرز و انداز کے بھی مالک تھے۔ خلاصہ یہ کہ مولانا علمی صلاحیتوں کے علاوہ بے شمار اخلاقی و عملی خوبیوں سے لیس تھے۔
حضرت مولانا کو بدنام کرنے کے لئے باضابطہ مہم چلائی گئی اور ان کو مطعون کرنے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا گیا لیکن مولانا نے کبھی بھی نہ اپنی تقریر اور نہ تحریر کے ذریعہ ان لوگوں کے خلاف کچھ کہا بلکہ مولانا نے عفو و در گزر سے کام لینے کی تلقین ہی نہیں کی بلکہ از خود عمل کرکے بھی دکھادیا۔ مولانا نہ کسی کی غیبت کرنا اور نہ ہی سننا پسند کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنے سخت ترین مخالفین کے خلاف بھی لب کشائی نہیں فرماتے۔ ۲۰۰۵ء کے اختلافات یا ۱۹۸۰ کے نزاعات ہوں ایسے نازک حالات میں بھی آپ نے اپنے وسعت ظرفی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ دنیا دنگ رہ گئی اور آپ نے ایسے نازک موقع پر بھی تمام اختلافات کو نسیاً منسیا کرکے دنیا کے سامنے اخلاص و للٰہیت کی ایک انوکھی مثال قائم فرما دی۔

حضرت مولانا کو جن لوگوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع میسر ہوا ہے وہ اس بات کی بخوبی شہادت دیں گے کہ مولانا کس طرح مجلس میں ہوتے تو باوقار اور اسٹیج پر ہوں تو مرنجامرنج و خوش مزاج، نہ کسی سے حسد اور نہ کسی کی غیبت بس اپنے کام سے کام۔

مولانا کے اندر جو اوصاف پائے جاتے ہیں اگر ہر ہر وصف کا ذکر کیا جائے تو صفحات کے صفحات رنگین کئے جاسکتے ہیں، لیکن قائدانہ وصف آپ کا خاص تھا۔ کیوں کہ علمی قیادت قدرت نے اس خاندان کے خون میں ودیعت کر رکھی ہے، کس طرح آپ نے ۳۵ سال کے مختصر عرصے میں دارالعلوم وقف کو اپنی قائدانہ صلاحیت سے ترقی کے وہ مدارج طے کرا دیئے جسے دیکھ کر لوگ انگشت بدنداں ہیں، آپ نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو اپنی نیابت سے وقار بخشا۔ آپ عرصہ دراز سے بورڈ کے نائب صدر کے منصب پر فائز رہے۔ سرپرست دارالعلوم وقف دیوبند، صدر مجلس مشاورت، رکن مجلس انتظامیہ و شوریٰ ندوۃ العلماء لکھنؤ، رکن مجلس شوریٰ مظاہر العلوم وقف، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کورٹ کے رکن، سرپرست کل ہند رابطہ مساجد، سرپرست اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا گویا آپ نے پوری زندگی ملک کے نامور اور مرکزی علمی، سماجی و رفاہی اداروں کی سرپرستی و رہنمائی فرمائی اور آپ کی قیادت میں ان اداروں نے بے شمار کارنامے انجام دیئے۔ اصلاح معاشرہ آپ کا مشن تھا، اس لئے آپ پوری زندگی تزکیہ و احسان اور دعوت و تبلیغ کے میدان میں سرگرم عمل رہے۔ آپ نے بیعت و ارادت کا تعلق حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے قائم کیا اور اصلاح و تربیت اپنے والد ماجد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب

رحمۃ اللہ علیہ سے لی اور ان کے متوسلین اور خلفاء کی تربیت فرمائی۔ آپ کی عصر کے بعد کی روحانی مجلس بہت مفید اور علمی ہوتی تھی۔ مولانا سے سلوک و ارشاد میں تربیت و اجازت پانے والوں کی تعداد تقریباً سو سے متجاوز ہے۔ حضرت مولانا ملی اتحاد کے زبردست حامی تھے، زمانے کے تقاضوں کے مطابق نصاب و نظام میں ارتقا چاہتے تھے۔ آپ اپنے بیان میں برملا اس بات کا اظہار فرماتے تھے کہ لوگ آج دین کے بجائے مسلک کی تبلیغ کرتے ہیں جبکہ تبلیغ دین کی ہونی چاہئے۔ آج ایسے وقت میں جبکہ ملت اسلامیہ ہند کرب و بے چینی اور نامساعد حالات سے دو چار ہے اور ہر طرف سے مسلمانوں کے خلاف نت نئی سازشیں ہورہی ہیں، ایسی عظیم شخصیت کا داغ مفارقت دے جانا ایک عظیم سانحہ ہے اور ایک عہد کا خاتمہ ہے۔ ادھر چند سالوں سے ملت اسلامیہ ہند مسلسل اپنے قائدین کو کھو رہی ہے۔ حضرت مولانا کے انتقال سے ایک روز قبل مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب کی وفات ہوگئی یہ حضرات ایسی ہستیاں تھیں جو ہمیشہ جب کبھی بھی ملت کی بات ہوتی تھی اول صف میں کھڑے نظر آتے تھے۔ حضرت مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب سے بھی میرے دیرینہ مراسم تھے، حضرت سے جب بھی ملاقات ہوتی تو آپ میری حوصلہ افزائی فرماتے۔ اللہ آپ کو اپنے جوار میں جگہ دے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔ جہاں تک حضرت مولانا سالم صاحب کا تعلق ہے تو آپ صرف ایک فرد ہی نہیں تھے بلکہ ایک عہد ایک تحریک اور ایک اکیڈمی تھے، لیکن موت بہر حال ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، جس سے ہر جاندار کو روبرو ہونا ہے تو حضرت بھی اپنے تمام غیر معمولی کارناموں اور خدمات کے ساتھ

اپنے حبیب سے جاملے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کی نماز جنازہ آپ کے فرزند ارجمند اور سچے جانشین حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم نے احاطہ مولسری میں ادا فرمائی۔ آپ کے جنازے کی نماز میں خلق خدا کا ایک بڑا اژدہام تھا، جن میں علماء کی تعداد زیادہ تھی۔ آپ کی تدفین مزار قاسمی میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آرامگاہ کے مابین عمل میں آئی۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آپ نے پسماندگان میں چار صاحبزادے (۱) مولانا محمد سلمان قاسمی (۲) مولانا محمد سفیان قاسمی (۳)مولانا محمد عدنان قاسمی (۴)حافظ محمد عاصم قاسمی اور دو بیٹیاں (۱)اسماء اعجاز اور(۲) عظمیٰ ناہید ہیں۔ نیز لاکھوں کی تعداد میں آپ کی روحانی اولاد ہیں۔ جن کا کوئی حساب نہیں۔ اللہ رب العزت ان سب کو صبر جمیل کی توفیق نصیب فرمائے اور اللہ تعالیٰ حضرت کی قبر کو نور سے منور فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین کی معیت میں جگہ عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی علیہ الرحمۃ

دل آویز شخصیت کے کچھ اچھوتے پہلو

بقلم۔ مولانا ندیم الواجدی

حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی ہمہ جہت شخصیت پر، ان کے کمالات واوصاف پر، ان کی خصوصیات وامتیازات پر، ان کے علوم ومعارف پر اور ان کی حیات وخدمات پر بہت کچھ لکھا جارہا ہے اور بہت کچھ لکھا جائے گا، موجودہ اور آنے والی نسلوں کو ایسی باکمال شخصیتوں سے واقف ہونا بے حد ضروری ہے، بلاشبہ وہ جماعت دیوبند کے میر کارواں تھے، مسلک دیوبند کے ترجمان تھے، افکار ولی الٰہی، علومِ قاسمی اور معارفِ تھانوی کے شارح تھے، بہ ظاہر اب کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو ان اوصاف کا حامل ہو، یوں اللہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ کسی کو بھی ان کا حقیقی جانشین بنا کر اس خلاء کو پُر کرسکتا ہے جو ان کے سانحۂ وفات سے پیدا ہوا ہے۔

ان کے لاتعداد شاگردوں کی طرح احقر راقم السطور بھی ان کا ایک ادنیٰ شاگرد ہے جس نے ان کے سامنے دار العلوم دیوبند کی درس گاہوں میں زانوئے تلمذ طے کیا ہے، لیکن شاگردوں کی صف میں شامل ہونے سے پہلے بھی احقر ان سے استفادہ کرتا رہتا تھا، کبھی ان کے خطبات کے ذریعے جو وقتاً فوقتاً دار العلوم دیوبند کے دار الحدیث میں ہوتے تھے، اور کبھی ملاقات کے دوران؛ اکثر ہم طلبہ ان کے دفتر مجلس معارف القرآن میں جو احاطہ مسجد قدیم کی بالائی منزل کے اس حجرے میں واقع تھا جو بہ زمانۂ اہتمام حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحبؒ کی فرود گاہ تھا اور جہاں اب موجودہ مہتمم صاحب کی مجلسیں لگتی ہیں،

اس حجرے میں چاروں طرف کتابیں ہی کتابیں تھیں اور ان کتابوں کے درمیان حضرتؒ کچھ نہ کچھ لکھتے پڑھتے یا آنے جانے والوں سے بات چیت کرتے نظر آتے تھے، اس دفتر میں ایک اور بزرگ عالم دین صاحب قلم مولانا عبد الرؤف عالی صاحبؒ بھی حضرت کے علمی کاموں میں معاون کی حیثیت سے بیٹھے ہوئے نظر آتے تھے، مگر یہ تعارف کی ابتدا نہیں ہے، میں نے سب سے پہلے حضرت کی زیارت اس وقت کی جب میری عمر زیادہ سے زیادہ آٹھ سال ہوگی، میں اس وقت قاری محمود دیوبندی کے یہاں حفظ کررہا تھا، میرے ساتھ حضرت کے دو صاحب زادے برادرم مولانا سفیان قاسمی اور برادرم محمد عدنان قاسمی بھی پڑھتے تھے، اکثر وبیشتر میں ان دونوں ساتھیوں کے ساتھ کھیلنے کودنے کے لئے طیب منزل چلا جاتا، ایسے ہی کسی موقع پر ہم لوگ کھیلتے ہوئے طیب منزل کے بیرونی حصے کی بالائی منزل پر چلے گئے، طیب منزل کے جس کمرے میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ تشریف فرما رہتے تھے اور جس کی دیواروں پر سپاس ناموں کے فریم آویزاں تھے یہ کمرہ اسی کے عین اوپر واقع تھا، ہم لوگ کھیلتے کھیلتے ادھر پہنچے تو سامنے ہی کمرے میں ایک وجیہہ، خوب صورت اور دلآویز شخصیت موجود تھی، سیاہ داڑھی، سنہرے فریم کا خوب صورت چشمہ، تھوڑا سا بھاری وجود، معلوم ہوا کہ وہ میرے ساتھیوں کے والد بزرگ وار ہیں، ہمیں دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے میں آکھڑے ہوئے، اس وقت کی پوری گفتگو مجھے یاد نہیں، البتہ اتنا یاد ہے کہ انھوں نے مجھ سے پوچھا کیا نام ہے تمہارا، میں نے اپنا نام بتلادیا، فرمایا کس کے لڑکے ہو، میں نے عرض کیا مولانا واجد حسین صاحبؒ کا بیٹا ہوں، جلال آباد میں پڑھاتے ہیں، فرمایا اچھا تو تم ان کے بیٹے ہو، کیا پڑھتے ہو، میں نے عرض کیا حفظ کررہا ہوں،

پوچھا اُردو بھی پڑھتے ہو، میں نے عرض کیا جی، یہ سن کر اندر تشریف لے گئے اور دینی تعلیم کا ایک رسالہ اٹھا کر باہر آئے، فرمایا یہاں سے پڑھو، میں نے فر فر پڑھنا شروع کیا، بہت خوش ہوئے، سر پر ہاتھ رکھا اور دعاؤں سے بھی نوازا، یہ واقعہ ان تفصیلات کے ساتھ اتنا وقت گزرنے کے باوجود اسی طرح یاد ہے جیسے آج ہی پیش آیا ہو، مجھے خیال آتا ہے کہ حضرت کے یہاں خورد نوازی کی یہ صفت شروع سے موجود تھی اور عمر کے آخری مرحلے تک موجود رہی۔

جن دنوں میں دار العلوم میں زیر تعلیم تھا میرا ایک مضمون "ابحاث فی السیرۃ" کے نام سے وزارت حج واوقاف سعودی عرب کے مجلہ "التضامن الاسلامی" میں چھپا، مضمون کی اشاعت کے بعد معاوضے کے طور پر مجھے ایک چیک بھی ملا، میرا کسی بینک میں کوئی اکاؤنٹ نہیں تھا اور میں چیک وصول کرکے حیران پریشان تھا کہ اس کا کیا کروں، خدا مغفرت کرے جناب سید محبوب رضویؒ (مؤلف تاریخ دار العلوم دیوبند) کی کہ انھوں نے دست گیری کی اور خود بینک جاکر اس کو دار العلوم کے اکاؤنٹ میں جمع کرایا اور جب وہ کیش ہوکر آگیا تو دفتر محاسبی سے مجھے وہ رقم دلوائی، اس مضمون کا بڑا چرچا ہوا، حضرتؒ نے بھی مجھے اپنے دفتر میں طلب فرمایا، مضمون دیکھا، بڑی خوشی کا اظہار کیا اور اسی وقت ہمت افزائی پر مشتمل کچھ کلمات بھی سپرد قلم فرماکر مجھے عنایت کئے، اس سے میری خوشی دوبالا ہوگئی، زبان سے حوصلہ تو سب ہی نے بڑھایا، مگر دعائیہ کلمات لکھے حضرت نے ہی، جسے میں اکثر اپنے ساتھیوں کو دکھلایا کرتا تھا۔

یہ بھی طالب علمی ہی کے دور کا یاد گار واقعہ ہے اور میرے لئے سرمایہ افتخار بھی ہے کہ دار العلوم دیوبند کے دفتر اہتمام نے مجھے چار رسالوں کا عربی میں ترجمہ کرنے کا کام سپرد کیا،

در اصل رابطۂ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے اقوام متحدہ کی اپیل پر اُس سال کو بچوں کا سال منانے کا پروگرام بنایا تھا، رابطہ چاہتا تھا کہ اس مناسبت سے بچوں کی تعلیم وتربیت کے اسلامی تصورات وتعلیمات کو موضوع بنا کر کچھ رسائل مرتب کئے جائیں اور ان کی اشاعت عمل میں آئے، اس سلسلے میں دار العلوم دیوبند میں بھی خط آیا، طے پایا کہ رابطے کی اپیل پر عمل کیا جائے اور کچھ رسائل لکھ کر بل کہ چھپوا کر روانہ کئے جائیں، اس سلسلے میں حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ، حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ، حضرت مولانا قاری محمد عبد اللہ سلیم مدظلہ وغیرہ حضرات نے اردو میں مقالے لکھے، جو ترجمے کے لئے میرے سپرد کئے گئے، خاکسار نے رات دن ایک کرکے ان مقالات کو عربی میں منتقل کیا۔ جن حضرات نے حضرت کی تحریریں پڑھی ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان کے یہاں بھاری بھرکم علمی اصطلاحات والفاظ کے ساتھ لمبے لمبے جملے بھی ہوا کرتے تھے، کہیں کہیں کوئی لفظ اور کسی جگہ پوری عبارت قلم زد ہوتی اور اس کی جگہ بین السطور میں یا برابر کی خالی جگہ پر دوسرا لفظ یا دوسری عبارت لکھی ہوتی، قلم نہایت پختہ تھا، مجھ جیسے نو آموز کو حضرت کی تحریروں کو سمجھنا، پھر ان کو عربی میں منتقل کرنا بے حد دشوار تھا، مگر لگ لپٹ کر یہ کام کیا، اس دوران عبارت فہمی کے لئے بار بار حضرت کی خدمت میں حاضری ہوتی تھی، اس کا یہ نتیجہ نکلتا کہ حضرت اس عبارت میں کچھ اور جملے شامل کردیتے، اور مجھے پسینے آجاتے، اللہ اللہ کرکے کام پورا ہوا اور شاباشی ملی۔

فراغت کے بعد میں نے امام غزالیؒ کی احیاء العلوم کا اُردو ترجمہ شروع کیا، کئی سال کی محنت کے بعد جب یہ ترجمہ پایۂ تکمیل کو پہنچا اور زیور طبع سے آراستہ ہوگیا تو خیال آیا کہ اس کا اجراء ہونا چاہئے،

اس مقصد کے لئے اسلامیہ اسکول دیوبند میں ایک تقریب رکھی گئی اور اس میں شرکت کے لئے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے وائس چانسلر سید ہاشم علی مرحوم کو دعوت دی گئی، جب ان کی تاریخ مل گئی تو میں حضرت کے دولت کدے پر حاضر ہوا اور درخواست کی کہ رسم اجراء کی تقریب میں تشریف لائیں، حضرت نے ڈائری دیکھ کر ارشاد فرمایا ان دنوں میں دیوبند سے باہر ہوں البتہ پیغام کا وعدہ کیا جو مجھے اسی روز مل گیا، اور اسے تقریب میں پڑھ کر سنایا گیا، اس پیغام میں حضرت نے اس ناچیز کے متعلق جو وقیع کلمات ارشاد فرمائے تھے وہ ان تمام تقریروں پر بھاری تھے جو اس دن کی گئیں، ہمت افزائی کا یہ انداز بالکل انوکھا تھا اور انہی کا حصہ تھا۔

میرے بیٹے عزیزم یاسر ندیم الواجدی نے جب دوران طالب علمی اپنی پہلی کتاب "گلوبلائزیشن اور اسلام" لکھی تو ہم لوگ اس کا ایک نسخہ لے کر حاضر خدمت ہوئے، بہت دعائیں دیں، اور ایک بہت ہی قیمتی جملہ ارشاد فرمایا کہ مجھے تو ان میں (یاسر میں) مستقبل کے مولانا تقی عثمانی نظر آتے ہیں، اس کے بعد بھی کئی ملاقاتوں میں یہ وقیع جملہ ارشاد فرمایا، ایک مرتبہ انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی کوالالمپور ملیشیا کے پروفیسر ڈاکٹر ابو اللیث اعظمی قاسمی دیوبند تشریف لائے ہوئے تھے، ان کا قیام ہمارے گھر پر تھا، ایک دن حضرت کے دولت کدے پر ناشتے کی دعوت تھی، میں اور یاسر دونوں شریک دسترخوان تھے، حضرت نے ڈاکٹر ابو اللیث سے مخاطب ہوکر فرمایا مجھے یاسر اور شکیب (حضرت کے پوتے) سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں، حضرت کی دور بیں نگاہوں نے ان دونوں میں مستقبل کے حوالے سے جو کچھ دیکھا محسوس کیا تھا اور جس کا اظہار حضرت وقتاً فوقتاً فرماتے رہتے تھے اور دعاؤں سے بھی نوازتے تھے خدا کے فضل وکرم سے یہ دونوں بچے

حضرت کی توقعات اور امیدوں کے مطابق کام کرتے نظر آرہے ہیں۔
۲۰۱۰ء میں احقر کی بارہ کتابوں کا اجراء عمل میں آیا، پروگرام کے داعی میرے دوست اور کرم فرما مولانا سفیان قاسمی تھے، تقریب دار العلوم وقف دیوبند کے وسیع میدان میں رکھی گئی اور صدارت کے لئے حضرتؒ کو زحمت دی گئی، اس دن حضرت نے ہمارے غریب خانے پر بھی قدم رنجہ فرمایا اور تقریب میں بھی پوری بشاشت کے ساتھ کافی دیر تک تشریف فرمارہے، اور نصف گھنٹہ خطاب بھی فرمایا، موضوع تھا کہ علم سند کے بغیر معتبر نہیں، میری کتابوں کے حوالے سے بھی بہت کچھ ارشاد فرمایا، دعاؤں سے بھی نوازا، بعد میں یہ تقریر ماہ نامہ ترجمان دیوبند میں بھی چھپی، الحمد للہ جب بھی حضرت کی خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی دعاؤں کے ساتھ واپسی ہوئی، خوردنوازی حضرت کے مزاج کا حصہ تھی جس کا مسلسل اظہار ہوتا رہتا تھا، حضرت کی زبان مبارک کیا تھی دعاؤں کا بہتا ہوا چشمہ تھی، انتقال سے دو تین روز پہلے بھی جو آخری جملہ حضرت کی زبان سے ادا ہوا وہ دعائیہ جملہ تھا، اور اس دعا کے حصول کی سعادت حضرت کے خادم خاص مولانا شاہد کے حصے میں آئی جو تیس سال سے سفر وحضر میں سائے کی طرح حضرت کے ساتھ رہا کرتے تھے، یہ دُعا مولانا شاہد نے موبائل میں ریکارڈ کرلی، اس کے بعد حضرتؒ خاموش ہوگئے اور یہ خاموشی بالآخر موت کے سناٹے میں تبدیل ہوگئی۔
ہمت افزائی اور خورد نوازی کے ضمن میں یہ بھی یاد آیا کہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دار العلوم دیوبند کے حادثۂ وفات کے بعد حضرات اکابر نے یہ طے فرمایا کہ حضرت کی سوانح حیات مرتب کرائی جائے، اس سلسلے میں مشورے کی میٹنگ ہوئی، اور حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ نے سوانح حیات لکھنے کے لئے

احقر کا نام تجویز کیا، مجھے بلایا گیا، یہ میٹنگ حضرت کے دولت کدے پر تھی، جس وقت احقر وہاں پہنچا اس وقت حضرت کے علاوہ علامہ رفیق احمدؒ سابق شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلا ل آباد ، حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ اور حضرت مولانا خورشید عالمؒ بھی تشریف فرماتھے، حضرت نے ہی مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تمہارا نام اس کام کے لئے طے ہوا ہے، تمہیں مکتبہ تاج المعارف اور جامعہ دینیات کے برابر میں ایک کمرہ دیا جائے گا، اور فلاں فلاں سہولتیں فراہم کی جائیں گی، راقم السطور نے عرض کیا کہ کام بہت بڑا ہے، اور موجودہ حالات میں نازک بھی ہے، مجھے جو اب کے لئے کچھ وقت درکار ہے، ان حضرات نے یہ درخواست منظور کرلی، احقر نے کافی سوچا، اور یہ سوچ کر معذرت پیش کردی کہ شاید میں موضوع کے ساتھ انصاف نہ کرپاؤں، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ عمر کے آخری دور میں جن حالات سے دو چار ہوئے وہ اب اگرچہ تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں، مگر اس وقت تازہ تھے، اور ہر دل میں ان حالات کی کسک موجود تھی، ان حالات کا ذکر کئے بغیر سوانح ادھوری ہوتی، اور لکھنے میں اس بات کا اندیشہ تھا کہ لکھنے والے کی ذات کو نشانہ بنایا جاتا، میری معذرت کے بعد ان حضرات اکابر نے میرے عزیز دوست مولانا عتیق احمد بستوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کو یہ ذمہ داری سپرد کرنی چاہی، انھوں نے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ سے مشورہ مانگا، حضرت مولانا علی میاںؒ نے بڑی قیمتی بات ارشاد فرمائی کہ ابھی اختلافات کا غبار اڑ رہا ہے، اسے بیٹھ جانے دیجئے، ابھی ان کی سوانح لکھنے کا وقت نہیں آیا، مولانا عتیق احمد بستوی نے جب خط کے ذریعے یہ بات بتلائی تو مجھے اپنے فیصلے پر اطمینان ہوا، ورنہ معذرت پیش کرنے کے بعد میں کافی دنوں تک یہ سوچ کر بے چین رہا کہ کہیں میں نے غلط فیصلہ تو نہیں کیا،

بہر حال سوانح لکھنا نہ میرے مقدر میں تھا اور نہ مولانا عتیق احمد بستوی کی قسمت میں، البتہ اس سے یہ بات ضرور سامنے آئی کہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کو مجھ پر بڑا اعتماد تھا جب ہی تو وہ مجھ سے اتنا بڑا کام لینا چاہتے تھے، بس یہ قیمتی احساس ہی میرے لئے سرمایۂ افتخار ہے جسے اتنے دن گزارنے کے باوجود میں آج تک اپنے دل کے نہاں خانوں میں سنبھال کر رکھے ہوئے ہوں۔

(باقی اگلی قسط میں)

nadimulwajidi@gmail.com

حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

دل آویز شخصیت کے کچھ اچھوتے پہلو --- قسط ۲

بقلم۔ مولانا ندیم الواجدی

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہمت افزائی کرنا حضرتؒ کی سرشت میں داخل تھا، مجھے یاد ہے کہ میرے بیٹے عزیزم یاسر ندیم الواجدی نے اپنے ادارے دار العلوم آن لائن کا آغاز کیا تو افتتاح کے لئے حضرت کو گھر پر تشریف آوری کی زحمت دی گئی، تقریب کا آغاز ہوا تو نیٹ خراب ہوگیا، ان دنوں دیوبند میں نیٹ کا معاملہ بڑا گڑ بڑ تھا، نیٹ بحال ہونے میں دو گھنٹے لگ گئے، حضرت اطمینان کے ساتھ تشریف فرمارہے، اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے، رات کی بے آرامی اور پریشانی سے ان کی پیشانی پر شکن تک نہیں آئی، جب نیٹ ٹھیک ہوگیا تو آپ نے افتتاحی کلمات ارشاد فرمائے، یہ واقعہ یادگار بن کر ہمارے دلوں میں آج بھی زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔

میں نے حضرت سے مشکوۃ شریف جلد ثانی اور نخبۃ الفکر پڑھی ہے، اس وقت حضرت کی درس گاہ احاطہ باغ کے مغرب میں اوپر کی طرف واقع تھی، اس کا سیدھا اور مختصر راستہ یہ تھا کہ باب قاسم سے دار العلوم کے اندر آئیں اور مسجد قدیم کی قبلے والی دیوار سے لگی ہوئی جو گلی جارہی ہے اس سے احاطہ باغ میں داخل ہوجائیں، رفیع منزل کے باب الداخلہ کے برابر سے ایک زینہ اوپر کی طرف جارہا ہے، اسی زینے سے حضرت اپنی درس گاہ میں تشریف لایا کرتے تھے، اب رفیع منزل کا خاتمہ بالخیر ہوچکا ہے، احاطہ باغ کی مغربی اور جنوبی عمارتیں بھی داستان پارینہ بن چکی ہیں،

اس وقت یہ خوب صورت احاطہ تھا، یہاں درخت اور پودے لگے ہوئے تھے، احاطے میں قدم رکھتے ہی خوش گوار ٹھنڈک کا احساس ہوتا تھا، حضرت وقت کے بڑے پابند تھے، گھنٹہ بجتے ہی حضرت کے قدموں کی دھمک زینے پر سنائی دیتی، حالاں کہ زینہ درس گاہ سے کافی دور تھا، مگر کیوں کہ حضرت کے قدم زمین پر زور سے پڑتے تھے اس لئے ان کی گونج فاصلے سے بھی سنی جاسکتی تھی، ہم طلبہ جو باتوں میں یا شرارتوں میں مشغول ہوتے جلدی سے سیدھے ہوکر بیٹھ جاتے اور کتابیں کھول لیتے، اگر گھنٹہ بج گیا اور چار پانچ منٹ گزر گئے تو یہ سمجھ لیا جاتا کہ آج سبق نہیں ہوگا، اس وقت کے اکثر اساتذہ کا یہی حال تھا، شاید ہی کوئی استاذ تاخیر سے درس گاہ میں پہنچتے ہوں، البتہ حضرت کے اسفار رہتے تھے اس لئے چھٹیاں بھی زیادہ ہوتی تھیں، تاہم کتاب مقدار خواندگی تک پہنچ ہی جاتی تھی، دوران درس اِدھر اُدھر کی گفتگو کا مزاج نہیں تھا، پوری توجہ کتاب پر مرکوز رہتی تھی، تقریر رواں دواں ہوتی، بہت توجہ کے ساتھ سننا پڑتا تھا، ایک لمحہ بھی ذہن غافل ہوتا تو درس کا سرا ہاتھ سے نکل جاتا اور وہ سرا تلاش کرنے میں دقّت ہوتی۔

حضرت اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے بے نظیر تھے، ایک تو یہ کہ ان کی مجلسیں دوسروں کی برائی، چغل خوری اور غیبت سے بالکل پاک ہوتی تھیں، نہ خود کرتے تھے اور نہ سنتے تھے، اس زمانے میں بھی اس احتیاط پر کاربند رہے جس زمانے دار العلوم کا اختلاف اپنے عروج پر تھا، گلی، نکڑ، چوارہوں، ہوٹلوں کے ساتھ ساتھ ہر گھر میں غیبت کی مجلسیں اہتمام کے ساتھ لگا کرتی تھیں،

یہ بات ماننی چاہیے کہ اِس فریق نے کبھی اپنی خاندانی شرافت اور وقار سے سمجھوتا نہیں کیا، اقدام تو خیر کیا کرتے جواب دینا بھی نہیں جانتے تھے، عمل کا ردّ عمل بھی مفقود تھا، جو لوگ مخلصانہ طور پر ان حضرات کے ساتھ تھے وہ ان کی سرد مزاجی پر کُڑھا کرتے تھے، حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کا تحمل، برداشت، روا داری اور خاموشی جیسے اوصاف تو اب ہمارے حلقوں میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں، حضرت مولانا سالم قاسمیؒ نے بھی کبھی حدود شرافت سے تجاوز نہیں کیا، میں نے اس پورے عرصے میں حضرت کی کوئی ایسی تقریر نہیں سنی، نہ ایسی کوئی تحریر دیکھی جس میں انھوں نے مخالفین کی شان میں عالمانہ معیار سے گرا ہوا کوئی لفظ یا جملہ استعمال کیا ہو، یہ صورت حال شروع سے آخر تک برقرار رہی ، یہی وجہ ہے کہ جب صلح کی کوششوں کا آغاز ہوا تو دلوں کی مٹی نرم ہونے میں بہت زیادہ دشواری پیش نہیں آئی، حالاں کہ بیس سال کی دوریوں اور تلخیوں کو یک لخت ختم کر دینا اتنا آسان بھی نہیں تھا، لیکن حضرت کی وسیع القلبی نے اس کو آسان سے آسان تر کر دیا، میں اس موضوع پر قدرے تفصیل کے ساتھ لکھنا چاہوں گا کیوں کہ ان دوریوں کو مٹانے اور تلخیوں کو کم کرنے میں راقم السطور نے اپنی قلم کی ساری توانائیاں صرف کر دی تھیں، میں نے یہ کام ۲۰۰۱ء میں شروع کیا اور اس کا نتیجہ ۲۰۰۵ء میں سامنے آیا، ماہ نامہ "ترجمان دیوبند" کے صفحات بہ طور گواہ موجود ہیں، پانچ سال کی جدوجہد کی یہ کہانی ان صفحات پر دیکھی اور پڑھی جاسکتی ہے۔

دار العلوم دیوبند کے اختلاف کا اثر ہر اس جگہ محسوس کیا گیا

جہاں جہاں فضلائے دیوبند ہیں، جہاں جہاں محبینِ دیوبند اور وابستگانِ دیوبند ہیں، عملاً لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہو چکے تھے، باشندگانِ دیوبند کو اس اختلاف کی وجہ سے جن پریشانیوں اور اذیتوں سے گزرنا پڑا اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، پچاسی خاندان تو وہ تھے جن کے سربراہ دار العلوم چھوڑ کر باہر آگئے تھے، ان میں سے بیشتر لوگوں کو روزگار کی مار جھیلنی پڑی اور سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، بہت سے لوگ وہ تھے جنھوں نے عیدین کی نماز عید گاہ میں پڑھنی چھوڑ دی کیوں کہ وہاں فلاں صاحب نماز پڑھاتے تھے، جنازوں کی نماز کے لئے لوگ جامع مسجد کا رُخ کرنے لگے، اس سے قبل تمام جنازے دار العلوم دیوبند میں جاتے تھے اور احاطۂ مولسری میں ان کی نماز ہوتی تھی، میتیں تکثیر جماعت کی فضیلت اور بزرگوں کی متعین کردہ مخصوص جگہ کے شرف سے محروم ہونے لگیں، اگرچہ تدفین دونوں فریقوں کے مرنے والوں کی قبرستان قاسمی میں ہی ہوتی رہی، شادی بیاہ میں دشواریاں پیدا ہونے لگیں، دیوبند میں اس وقت شادی گھر نہیں تھے، زیادہ تر لوگ محمود ہال میں ولیمے وغیرہ کی دعوتیں کرتے تھے کیوں کہ یہ ہال ایک خاص فریق کے زیر انتظام تھا اس لئے دوسرا فریق اس ہال میں منعقد ہونے والی تقریبات میں شرکت سے محروم رہتا تھا، دونوں اداروں کے ملازمین، مدرسین اور طلبہ تک ایک دوسرے سے ملنے میں جھجھکتے تھے کہ کہیں دیکھ لئے نہ جائیں، ملنا ہوتا تو چھپ چھپا کر ملتے، کچھ چھچھورے لوگ ایک دوسرے پر چھینٹا کشی بھی کر بیٹھتے تھے، فقرے کسنے سے بھی نہیں چوکتے تھے، عجیب وغریب صورت حال تھی، یہ صورت حال مکمل بیس سال تک قائم رہی۔

بیس سال کے بعد دیوبند میں ایک عید پیغام نوید بن گئی،

حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے ۲۷ دسمبر ۲۰۰۰ء کو عید کی نماز سے قبل اپنی تقریر میں اہل دیوبند سے کہا کہ آج بہت سے مسلمان عید گاہ کے بجائے محلوں کی مسجدوں میں نماز پڑھتے ہیں اگر انہیں عید گاہ کی امامت سے اختلاف ہے تو وہ کسی دوسرے کو امام بنالیں مگر عید گاہ نہ چھوڑیں، احقر نے اس تقریر کو اتحاد کی دعوت تصور کرتے ہوئے "ترجمان دیوبند" فروری ۲۰۰۱ء میں ایک مضمون لکھا جس کا عنوان تھا "مایوسی کے اندھیروں میں امید کی کرن، دیوبند کی عید گاہ میں حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی تقریر" اس مضمون میں ان حالات وواقعات کا تجزیہ کیا گیا تھا جو ۱۹۸۰ء کے بعد پیش آئے، مولانا مدنیؒ کی تقریر کے متعلق میں نے لکھا تھا کہ "یہ ایک قابل تحسین اور دور رس نتائج کا حامل اعلان ہے اور یہ ممکن ہے کہ اس سے سرد مہری اور بے اعتنائی کی برف پگھل جائے یا نفرت کی آگ ٹھنڈی پڑ جائے"، بہ ہر حال برف پگھلی اور نفرت کی آگ بھی ٹھنڈی پڑی مگر اس میں پانچ سال لگ گئے، اس عرصے میں راقم السطور نے کئی مضامین لکھے، اور دونوں فریقوں کی ہر قابل ذکر شخصیت کو بھیجے، عوام وخواص نے اس تحریک کی پذیرائی کی۔

مئی ۲۰۰۱ء میں جمعیۃ علماء ہند نے تحفظ سنت کے عنوان سے غیر مقلدین کے خلاف ایک کانفرنس منعقد کرنے کا اعلان کیا، احقر نے اس کی ستائش کی اور یہ گلہ بھی کیا کہ یہ مسلک دیوبند کی بقا اور تحفظ کا سوال ہے،

اس کانفرنس کو گروہی عصبیت اور جماعتی تنگ نائے سے باہر رکھا جائے اور اس میں دار العلوم وقف کو بھی دعوت دی جائے، یہ مضمون پڑھنے کے بعد جمعیۃ علماء کے صدر محترم نے دیوبند کے ایک صاحب کے ذریعے جو ان کے انتہائی معتمد تھے مجھ سے یہ جاننے کی کوشش کی کہ اگر دار العلوم وقف کو دعوت دی جاتی ہے تو کیا وہ لوگ دعوت قبول کرلیں گے، میں نے عرض کیا آپ دعوت تو دیجئے، اس طرح جمعیۃ علماء نے وقف کے ذمہ داروں کو دعوت نامے بھجوائے، احقر تمام ذمہ داروں سے فرداً فرداً ملا، اور دعوت قبول کرنے کی درخواست کی، مجھے یہ لکھنے میں کوئی جھجک نہیں کہ میری درخواست پر مثبت اور ہمت افزاء ردّ عمل صرف حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کا تھا، چند روز میں اس مثبت ردّ عمل کا نتیجہ بھی سامنے آگیا، مولانا نے دعوت قبول کرلی تھی، شرکت کے لئے اساتذۂ دار العلوم وقف پر مشتمل ایک وفد دہلی روانہ کیا گیا، وفد کے ساتھ حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ کا ایک مفصل مکتوب تھا جو کانفرنس میں پڑھ کر سنایا گیا، حضرت نے اس خط میں حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا "کہ آپ کا دعوت نامہ حیرت آمیز مسرت کا باعث بنا، حیرت اس پر کہ سابق میں مادر علمی دار العلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کے جانب سے مختلف عنوانات پر سمینار بھی ہوئے اور کانفرنسیں بھی لیکن دار العلوم وقف کو کبھی یاد نہیں کیا گیا، مسرت اس پر کہ موجودہ دعوت اس اتحاد کے احساس پر مبنی معلوم ہوتی ہے جس کا وقف دار العلوم ہمیشہ ساعی رہا ہے"۔

ہمیں اس بات کا اعتراف کرنا چاہئے کہ حضرتؒ کے نرم اور فراخ دلانہ رویّے کی بنا پر یہ ممکن ہو سکا کہ دار العلوم وقف کے وفد نے کانفرنس میں شرکت کی، ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا چاہئے کہ حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے وفد کے ساتھ اعزاز واکرام کا معاملہ کیا، دونوں حضرات کے اس طرز عمل نے تلخیوں میں شہد کی آمیزش کی، جس کا اثر دیر تک رہا، یہاں تک کہ ۲۸/ جنوری ۲۰۰۵ء کو قضاء وقدر سے ایک ایسا حادثہ پیش آیا جو اگرچہ اندوہ ناک تھا مگر اس نے ماضی کی تلخیوں کو یک لخت مٹا ڈالا، اچانک ہی دیوبند کی فضاؤں میں اتحاد واتفاق کے پر کیف نغمے رس گھولنے لگے، حالاں کہ ان دنوں لوگ کشمیر کی برف پوش پہاڑیوں سے ٹکرا کر آنے والی یخ بستہ ہواؤں سے کانپ رہے تھے مگر اس حادثے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات اور پیش آنے والے واقعات نے ان یخ بستہ ہواؤں کو باد بہار کے شاداب جھونکوں میں بدل ڈالا۔

(باقی اگلی قسط میں)

nadimulwajidi@gmail.com